نشاۃِ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی ماہنامہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق مدظلہ

مؤتمر المصنّفین کی ایک تازہ تاریخی پیشکش

قادیان سے اسرائیل تک

تالیف و اشاعت ———— مؤتمر المصنّفین

"قادیانیت مذہبی سے زیادہ ایک اسلام دشمن سامراجی سیاسی تنظیم ہے، برطانوی سامراج اور یہودی صیہونیت نے اس سیاسی تحریک کو عالم اسلام کے خلاف کیسے کیسے استعمال کیا؟ اسرائیل کے قیام میں اس کا کردار کیا تھا؟ ایسے تمام مخفی گوشوں کا پہلی بار جامع مستند اور مدلل انداز میں تحقیقی جائزہ"

کتاب کے تیرہ ابواب کی ایک جھلک ہر باب کئی ذیلی عنوانات پر مشتمل ہے

۱۔ سیاسی تحریک، مذہبی بہروپ
۲۔ یہودی مسیح موعود
۳۔ سامراجی صیہونی آلہ کار
۴۔ حکیم نورالدین کا دور
۵۔ سیاسیات، دور ثانی
۶۔ مرزا محمود کی لندن یاترا
۷۔ لندن منصوبے کی تکمیل
۸۔ نئے مبلغ نئے فتنے
۹۔ عالمی استعمار کے گماشتے
۱۰۔ جنگ عظیم اور قادیانی تحریک کار
۱۱۔ تحریک پاکستان اور قادیان
۱۲۔ اقوام متحدہ اور مسئلہ فلسطین
۱۳۔ یہودی ریاست کے سائے میں

بلاشبہ اس موضوع پر پہلی ایسی مستند اور محققانہ کتاب

جس کیلئے

صدہا قادیانی غیر قادیانی اور یورپی آخذ کو کھنگالا گیا۔

آج ہی طلب فرمائیں ——— تبلیغ کے لئے سو نسخے طلب کرنے والوں کو ۳۳ فی صد رعایت۔

قیمت: ۱۵/ روپے ، صفحات: ۲۲۴ ، کاغذ: عمدہ ، طباعت: ونڈایک/آفسٹ ، ٹائٹل جدید طرز

مؤتمر المصنّفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

——— پاکستان ———

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دارالعلوم ـ ۴

فون نمبر رہائش ـ ۰

مدیر: سمیع الحق

اس شمارہ میں

محرم الحرام ۱۳۹۹ھ
دسمبر ۱۹۷۸ء

جلد نمبر : ۱۴
شمارہ نمبر : ۳

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

نئے سال ہجری کا آغاز یعنی یکم محرم الحرام اس لحاظ سے بے حد مبارک ثابت ہوا ہے کہ اس دن صدرِ پاکستان
تیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جناب جنرل ضیاء الحق صاحب نے اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں چند ابتدائی
یت کے مگر اہم اور بنیادی اقدامات کا اعلان کیا۔ صلوٰۃ جمعہ اور جماعات کی پابندی اور اہتمام کرنے کی تلقین،
ض ابتدائی شعبوں میں سودی کاروبار کی تحدید، اور مکمل طور پر سودی نظام کے خاتمہ کی تیاریوں کی اطلاع، اور ۱۲ بارہ
ج الاوّل کو زنا، شراب، سرقہ اور ڈکیتی کے بارہ میں قوانین کے اعلان کی خوشخبری اس میں سے ہر بات اس لحاظ سے
یت تحسین وستائش کی مستحق ہے کہ ملّتِ پاکستانیہ مدتوں سے جس صبحِ صادق کی منتظر ہے۔ اس کی کچھ کرنیں ان
لانات میں پہلی بار دکھائی دینے لگی ہیں اور بلاشبہ جنرل ضیاء الحق صاحب پاکستان کے پہلے حکمران ہیں جو سنجیدگی
ر خلوص سے اس ملک کی سمتِ قبلہ درست کرنے میں کوشاں معلوم ہوتے ہیں، ملک کی قیادت اور طاقت کا
رشمہ اگر صحیح ہو تو معاشرہ میں اس کے انقلابی اثرات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ نماز کے سلسلہ میں اگرچہ
ناً احکامات نافذ نہیں کئے گئے۔ (جبکہ کسی مملکتِ اسلامیہ کی سب سے پہلی ذمہ داری قرآن نے یہی قرار دی ہے
اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔) مگر صرف زبانی تبلیغ و تلقین سے
لی دفاتر اور سرکاری اداروں میں باجماعت نمازوں کے اہتمام کے وہ روح پرور مناظر سامنے آگئے ہیں جو علماء
ذنوں کی ہزاروں مساعی، تقاریر اور مواعظ سے ممکن نہ تھے۔ اس طرح نمازِ جمعہ کے سلسلہ میں بھی عام مسلمانوں کے
ہتمام میں بڑی حد تک اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ ایک مثال ہے اس بات کی کہ اگر اسلامی معاشرہ کا برسرِ اقتدار طبقہ اصلاح د
ایت کے سلسلہ میں اپنا فریضہ اور مسئولیتِ خداوندی کے تقاضے پہچان لے اور وہ معروفات کے فروغ اور
نکرات کے استیصال میں اپنی ذمہ داری محسوس کرے تو اس کے ہمہ گیر اور فوری اثرات اور برکات ظاہر ہو سکتے
یں۔ قوم اب منتظر ہے کہ ۱۲ بارہ ربیع الاوّل کو زنا، شراب، سرقہ، ڈکیتی کے اسلامی حدود و تعزیرات کے نفاذ کا بھی
جامع اور مکمل شکل میں اعلان آجائے۔ اس سلسلہ میں قائدِ قومی اتحاد مولانا مفتی محمود صاحب کا یہ مطالبہ نہایت معقول
ہے۔ کہ ان حدود کے ساتھ حدِ قذف کا بھی اعلان کرنا چاہیئے جو ایک طرف تو حدودِ زنا کے لئے ایک تتمہ اور
میلی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسری طرف غلط الزامات دعاوی اور جھوٹے شہادات کے انسداد کا بھی لازمی اور قطعی
استہ ہے۔ سودی نظام کی بعض صورتوں اور جزوی اصلاحات کی بجائے ہم اس مبارک دن کے انتظار میں ہیں کہ اسلام

کے معاشی عادلانہ نظام کو تہس نہس کرنے والی یہ لعنت مکمل طور پر ختم کر دی جائے اور اس ملک میں اسلام کا منصفانہ
عادلانہ معاشی نظام جاری ہو۔

صدر محترم کے ان اعلانات میں سب سے اہم اعلان چاروں صوبائی ہائی کورٹوں میں شریعت بنچ اور سپریم
میں اپیل شریعت بنچ کے قیام کا فیصلہ ہے اور جس پر بارہ ربیع الاول سے انشاء اللہ عملدرآمد ہوگا۔ چونکہ ایسے بنچ
کا قیام اس ملک میں پہلا اور نیا تجربہ ہے اور اس کے دیرپا انقلابی نتائج پورے معاشرہ پر اثر انداز ہو سکتے ہیں جبکہ
ایسے تجربات پر دنیائے اسلام اور دیگر اقوام کی نظریں بھی لگی ہوئی ہیں اس لئے طبعی طور پر صدر محترم کے اعلانات
میں اب تک زیادہ زیر بحث شریعت بنچ ہی آرہے ہیں۔ اسکی حسن و قبح پر گفتگو ہو رہی ہے۔ اور اصلاحی بیانات
میں کوششیں ہو رہی ہیں کہ شریعت بنچوں کی تشکیل اس کے دائرہ کار اور طریق کار میں ایسی کوئی خامی نہ رہے جو آگے
اس تجربہ کی ناکامی یا اسکی تضحیک کا ذریعہ بن جائے یا پھر خدانخواستہ یہ بنچ اسلامی قوانین اور تعبیر و تشریح اور توضیح
کے کام میں مزید اضطراب و انتشار برپا کرنے کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ اس سلسلہ میں بڑا اعتراض تو اس اطلاع سے ر
ہوگیا ہے کہ شریعت بنچ کے دائرہ کار سے مسلم پرسنل لاء، مالیاتی قوانین وغیرہ کے **غیر موقت** استثناء کے سلسلہ
آرڈیننس میں ترمیم کیا جارہا ہے گویا یہ مستثنیات متبادل انتظامات تک ایک محدود وقت تک رکھی گئی ہیں اگ
ایسا نہ ہوتا تو اس میں شک نہیں کہ مالیاتی نظام کے سلسلہ میں ایک بحران پیدا ہو سکتا ہے مگر جہاں تک مسلم پرسنل لا
اور عہد ایوب کے رسوائے زمانہ عائلی قوانین کا تعلق ہے اس کو تحفظ دینے کی بات پر قوم بجا طور پر محو حیرت ہو
ہے۔ ہماری رائے میں یا تو فوری طور پر عائلی قوانین کے بارہ میں علماء اسلام کی ترامیم کو قبول کر کے اس کے غیر اسلا
پہلوؤں کو ختم کر دیا جائے یا شریعت بنچ کے دائرہ اختیار سے ان قوانین کے استثناء کو فوری طور پر ختم کر دیا

سب سے بڑی اور نہایت خطرناک خامی جو مجوزہ شریعت بنچوں میں رکھی گئی ہے وہ یہ کہ ان بنچوں کی تشک
میں مفوضہ کام اور ذمہ داریوں کی اہلیت و صلاحیت اور استعداد کو قطعی طور پر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ان بنچوا
کی تشکیل ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے موجودہ جج حضرات سے کی جائے گی، اسلامی شریعت اور فقہ پر براہ را
عبور رکھنے والے علماء اس میں شامل نہیں، ان کا کام صرف اس قدر ہوگا کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ وکیلوں کی طرح ان
کو قانونی مشورہ دے سکیں گے جبکہ کوئی بنچ ایسے مشوروں کے ماننے کا پابند نہیں ہوگا ــــ یہ اس ملک کی بدقسم
اور ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ یہاں اسلام اور اسلامی نظام کے سلسلہ میں کوئی بھی قدم خلوص، للہیت، حقیقت
اور صحیح منصوبہ بندی کے تحت نہیں اٹھایا جاتا، ہم زندگی کے ہر شعبہ میں رجال کار کی صلاحیت اور استعداد (کوالیفک
کو ملحوظ رکھتے ہیں مگر جب اسلام کی ترجمانی و تشریح کی بات آتی ہے تو ملک کا وہ تعلیم یافتہ طبقہ جو عہد غلامی کی نحوست او

اور ضروریات کی وجہ سے انتظامیہ اور عدلیہ پر قابض چلا آ رہا ہے۔ وہ ایک طرف تو چیخ پڑتا ہے کہ علماء کو اسلام کی تشریح و ترجمانی کا استحقاق یا پائیت اور اجارہ داری ہے۔ مگر دوسری طرف وہ عدم استعداد اور سرسری صلاحیت کے باوجود اسلامی قانون سازی کی تشریح و تعبیر کے نہایت نازک کام کا "اجارہ دار" صرف اپنے آپ کو سمجھنے لگتا ہے۔
نا اہل ہاتھوں کا اسلام کے قانونی مباحث اور تشریحات کا اپنے لئے الاٹمنٹ کراتے رہنا بھی اس ملک میں صحیح طور پر اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ میں بنیادی رکاوٹ بنا ہوا ہے جن ججوں کی تعلیم و تعلّم، مطالعہ اور تشریح و توضیح کی ساری زندگی انگریزی اور مغربی دساتیر و قوانین کے گرد گھومتی چلی آ رہی ہے وہ آج اسلامی ماخذ کتاب و سنت اجماع و قیاس اور اس کے بیشمار اصول و فروع اور ضوابط و شرائط کی نہایت نازک اور کٹھن استعداد رکھے بغیر اسلام کے ترجمان بن بیٹھیں تو یہ کتنی نامعقول بات ہوگی، اپریشن اور سرجری کے لئے ہمیں ڈاکٹر کی ضرورت ہوتی ہے صنعتی اور تعمیراتی کاموں کے لئے انجینیروں کی، الغرض ہر شعبۂ زندگی میں ہم متعلقہ کاموں سے وابستہ افراد کی تلاش کرتے ہیں مگر ہماری موجودہ عدالتوں کے جج حضرات اسلامی قانون سازی کا یہ نہایت مشکل کام بھی بلا شرکت غیرے اپنے لئے مخصوص رکھنا چاہتے ہیں ـــــ تو اس طرح کئی مسائل کھڑے ہو سکتے ہیں۔ پھر کیا ضمانت ہے کہ ایسے بنچ اسلامی مآخذ، فقہی نظائر اور ائمہ اربعہ کے متفقہ فیصلوں اور جمہوریّت کے طے شدہ مسائل میں بھی اجتہاد مطلق کا دروازہ کھولنے کا ذریعہ نہ بن جائیں۔
آجکل کے ماڈرن حضرات میں کوئی تعدّد ازدواج پر پابندی کو تقاضائے اسلام سمجھتا ہے، کوئی پوتے کی وراثت کو حکمِ اسلام، کوئی زنا بالرضا کو ناقابلِ دست اندازی جرم اور کوئی مذہبیات اور اعتقادات میں بھی ہر طرح کے مادر پدر آزاد خیالات و آراء کو "بنیادی حق" قرار دیتا ہے۔ اور کوئی اسلامی قانون کے لازمی اور اساسی سرچشمہ حدیث کی حجیّت کا قائل نہیں ـــــ ان خطرات و مفاسد کا بنیادی حل ایک ہی ہے کہ مجوزّہ بنچوں کے ارکان کی اکثریت جیّد معروف اور ذی استعداد علماء (جو براہِ راست عربی و اسلامی علوم پر عبور رکھتے ہوں) پر مشتمل ہونی چاہئے۔ موجودہ عدالتوں کے ایک دو جج بطور معاون رکھے جائیں تو حرج نہیں۔ یہاں یہ امر بھی قابلِ وضاحت ہے کہ مسلمانوں کے بنیادی طبقات اور مکاتبِ فکر میں مسلم پرسنل لاء، حدود و تعزیرات، اصلاح منکرات اور فواحش کے استیصال کے سلسلہ میں کوئی فقہی اور قانونی اختلافات نہیں ہیں، نہ مالیاتی اور معاشی مسائل کے سلسلہ میں طبقاتِ فکر کا اختلاف سامنے آ سکتا ہے۔ (جاری)

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

العِلم وَ العُلماء

علم و عمل اور علماء کی ذمہ داریاں

دار العلوم کے تعلیمی سال کے آغاز اور اختتام میں ختم بخاری شریف کے مواقع پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ طلبا اور علماء سے فضیلت علم اور حصول علم کی راہ کی نزاکتوں اور اہل علم کی ذمہ داریوں پر بصیرت افروز خطاب فرمایا کرتے تھے ایسے کئی مواعظ و خطبات اور مجالس درس کے علمی اور تعلیمی مباحث جو غیر مطبوعہ ہیں۔ قارئین الحق کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔ پیشِ نظر خطاب میں بخاری شریف کے اختتام پر فارغ ہونے والے طلبا کو خطاب کیا گیا ہے۔

نئی زندگی اور نئی ذمہ داریاں خوشی اور مسرت کا موقع ہے کہ آپ بخاری شریف اور دورہ حدیث کے پڑھنے سے فارغ ہوئے آج بظاہر آپ علوم دینیہ کی تعلیم سے فارغ ہو چکے مگر درحقیقت آپ کی تعلیمی زندگی اور ذمہ داریوں کا آغاز آج ہی سے ہوتا ہے اب آئندہ آپ لوگوں کو درس و تدریس مطالعہ و تحقیق کا سلسلہ بالالتزام باقاعدہ اور محنت سے جاری رکھنا ہوگا۔ اس کے لئے محنت اور مشقت حوصلہ اور استقلال سے کام لینا ہوگا۔ حضرت امام بخاریؒ نے باوجود اتنے تبحر علمی، ذہانت و فطانت عظمت و مہارت کے بخاری شریف سولہ سال کے عرصہ میں تصنیف فرمائی۔ آپ نے جو علم حاصل کیا اب اس پر عمل کرنا اور کرانا ضروری ہے۔ آج کے بعد قوم کی رہنمائی و ہدایت جیسا عظیم کام تمہارے ذمہ سپرد ہو چکا ہے۔ اب آپ کا اصل کام ہے اسے اوروں تک پہنچانا جس کے لئے یہ ساری کوشش کی جاتی ہے۔ دین کی نشر و اشاعت کے لئے آپ کو گوناگوں تکالیف برداشت کرنے پڑیں گے۔ الحاد و دہریت کے اس طوفانی دور میں تمہاری ذمہ داریاں بہت نازک ہیں۔ اور تمہیں تمام مصائب پر صبر کرنا ہو گا۔ حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی کہ واصبر علیٰ ما اصابک (الآیۃ) کہ بڑے بڑے مصائب اور تکالیف برداشت کرنے ہوں گے۔ دعوت و تبلیغ کے میدان میں ہمت مردانہ اور بڑی قربانی کی ضرورت ہو گی۔

ادائے امانت اس علم کو امانت خداوندی سمجھ کر دوسروں تک پہنچائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے رُبَّ مبلَّغٍ اوعیٰ من سامع بسا اوقات جس حدیث کو پہنچایا گیا وہ بنسبت سننے والے کے اس سے زیادہ فائدہ لے گا۔

زیادہ حدیث کا حفظ و فہم رکھنے والا ہوگا۔ اگر صحابہؓ دوسروں کو نہ پہنچاتے تو آج حدیث کا یہ ذخیرہ کہاں موجود ہوتا۔ اور احادیث سے ہزارہا مسائل کا استنباط کس طرح ہوتا۔ چنانچہ مبلغین حدیث میں تابعین تبع تابعین اور ائمہ کرام وغیرہ نے احادیث سے کتنے باریک مسائل مواعظ و حکم کا استنباط کیا جن کو صحابہ سامعین کی رسائی نہ ہوئی تھی۔

پہلے پریس اور طباعت کا انتظام نہ تھا۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام احادیث کے لکھے ہوئے ٹکڑوں کو دل وجان اور مال و عزت سے زیادہ عزیز سمجھتے اور اپنے مکتوبات اور احادیث کے ذخیروں کو انمول خزانوں کی طرح اس کی حفاظت کرتے۔ سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتے۔ جب تک اس امانت کو اوروں تک نہ پہنچا دیتے تب تک پریشان رہتے۔ اپنے اخص ترین خدام پر اس بارہ میں اعتماد نہ کرتے کہ کہیں ان احادیث میں کوئی تغیر و تبدل اور ترمیم نہ کر دے۔ اب آپ لوگوں کے ذمہ اس کا پہنچانا ہے۔ آج سے آپ اس امانت کے بارہ میں یہ عہد کرلیں کہ جو بھی ہو اس امانت کو پہنچاکے رہیں گے۔ تکلیف اور بے عزتی ہونے کے خوف سے قرآن و سنت کی اشاعت کو نہیں چھوڑیں گے۔ چاہے گاؤں میں یا شہر میں، سکول میں یا کالج میں، بڑا مجمع ہو یا دو چار آدمی۔ ہمیں تو دین کی باتیں سنانی چاہئیں۔ لوگوں سے مال و عزت کی طمع نہ کیجئے۔ رزق کے متعلق فکر نہ کیجئے۔ دین کے متعلق فکر کرنا بہت ضروری ہے۔

اگر ہم تمام عمر زندگی کا ایک ایک لمحہ اس دین کی اشاعت میں لگا دیں تب بھی خداوند کریم کے اس عظیم احسان کا شکر ادا نہ کر سکیں گے جو اس نے ہم پر علم دین اور حدیث نبوی کے تعلیم و تعلّم کی صورت میں فرمایا۔ اس نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا پھر ہم پر دین کی نعمت کی۔ پھر علم کی توفیق دی۔ جس کا درجہ بہ نسبت عمل کے اونچا ہے پھر علوم کے مختلف انواع و اقسام ہیں۔ بعض دینی علوم ہیں اور بعض دنیاوی۔

علماء محدثین کو بشارت | سب سے افضل ترین علم قرآن و حدیث کا علم ہے علم حدیث جو قرآن کی شرح ہے اس کے بارہ میں اور محدثین کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

نضر اللّٰہ امرءًا (فی الدنیا والاخرۃ والحیاۃ والقبور بعد الممات) سمع مقالتی فوعاھا وحفظھا ثم اداھا کما سمعھا (اوکما قال علیہ السلام)

کہ جس نے میرا ایک حدیث اور قول سنا اور اس کو یاد رکھا۔ اس کی حفاظت کی۔ اور پھر اس کو اوروں تک پہنچایا۔ خداوند تعالیٰ اس کی آنکھیں ٹھنڈی کرے دنیا و آخرت میں زندگی اور موت ہر حالت میں۔

اس کی زندگی اچھی رہے گی اور اس کا دل تر و تازہ اور سرشار ہوگا۔ اور یہ ذاتی تجربہ ہے۔ محدثین اور حاملین حدیث کی زندگی اطمینان اور سکون میں ڈوبی ہوئی زندگی ہوتی ہے۔ اہل اللہ اور علماء نے حلفیہ لکھا ہے کہ حدیث کے طالب علم کے چہرے سے شعاع نکلتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اس گئے گذرے دور میں بھی ایک بڑے حاکم، فلسفی، انجینئر کی اتنی قدر و منزلت نہیں کی جاتی جتنی کہ ایک محدث اور طالب حدیث و خادم حدیث کی ہوتی ہے۔

احادیث دل کی روشنی اور جلاء | یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے اور احادیث کی برکتیں ہیں۔ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے سننے کی توفیق دی جو اتنا بڑا افضل اور احسان ہے کہ اگر ساری زندگی اس کے بدلہ سجدہ ریزی میں بسر ہو تب بھی اس کا شکریہ ادا نہ ہو سکے گا۔

ہمیں اپنے دلوں کو روشن رکھنے کے لئے بھی ان احادیث سے رابطہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہمارے اندر نقائص اور عیوب موجود ہیں۔ ہمارے جسم میں بداخلاقیوں اور برائیوں کے جراثیم دوڑتے رہتے ہیں۔ اور جب کمرہ میں روشنی نہ ہو تو کیڑے مکوڑے رینگتے رہتے ہیں۔ اور جب روشنی ہو جائے تو حشرات الارض نہیں نکلتے۔ تو جسم اور نفس کے بچاؤ کے لئے بھی ضروری ہے کہ ہم ان مہلک بیماریوں سے نجات حاصل کرلیں۔ ہم اپنے عیوب چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور مرض کو بدن سے نکالنے کی تدابیر نہیں کرتے۔ اور اگر ایک ایک مہلک چیز تو منہ نکالنا بھی چاہیں تو اس سے علاج نہیں ہو سکتا یہ ایک نہیں کہ ختم ہو جائیں۔ اس کا صحیح علاج یہ ہے کہ ہم اپنے دل کے کمرہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور سنت کے چراغ سے روشن کردیں۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ ہم ان کی حدیث سے ربط و تعلق قائم رکھیں اس کی صحیح اشاعت کرتے رہیں ہم نے جو امانت حاصل کیا ہے اس کی قدر کریں اور جو امور اس امانت کے تقاضوں کے خلاف ہوں اس سے اجتناب کرتے رہیں حضرت امام شافعیؒ نے اپنے شیخ امام وکیعؒ سے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو فرماتے ہیں کہ انہوں نے مجھے ترک معاصی اور اجتناب منکرات کی تاکید کی ؎

شکوت الی وکیعؒ سوء حفظی   فاوصانی الی ترک المعاصی

اپنے آپ کو کبھی عالم نہ سمجھیں اور نہ حصول علم میں عار و شرم محسوس کریں۔ امام مالکؒ سے ۴۸ مسائل کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے چھتیس کے بارہ میں لا ادری (میں نہیں جانتا) کہہ کر معذرت ظاہر کردی۔ طلب علم کی منتہیٰ ایک عالم نے یہ بیان کی ہے :

ما دامت الحیاۃ تحسن بہ   یعنی جب تک زندگی رہے

فضلاء دنیوی مشاغل کے پیچھے نہ لگیں | پہلے اساتذہ خود طلبہ کے پیچھے پڑھانے پھرتے علم کی پڑھنے پڑھانے کا ولولہ ہوتا اب ہمارے قابل ترین فضلاء فارغ ہوکر رزق اور معاشی فراخی کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ ٹیوشنوں کی تلاش ہوتی ہے اور جب جلد طلبہ نہ ملیں تو مولوی فاضل وغیرہ کی ڈگریاں لے کر ملازمتوں میں لگ جاتے ہیں۔ تعلیم و تعلم کی تمام قابلیت ضائع ہو جاتی ہے پڑھانے کے لئے عزت مانگتے ہیں مشقت اٹھا نہیں سکتے۔ پہاڑی علاقوں کے علماء مشقتیں اٹھا اٹھا کر بڑے زیرک۔ ذہین۔ متبحر عالم و مدرس بن جاتے ہیں اور ہمارے ہاں قریبی اضلاع کے لوگ اپنی قابلیت ضائع کردیتے ہیں ۔

علم کی پختگی تدریس سے | دیوبند میں ہمارے ایک مشفق مرحوم استاذ بڑے بزرگ تھے۔ اپنے لڑکے کو ہر کتاب تین تین سال پڑھاتے۔ میزان الصرف سے لے کر آخر تک۔ جب ہدایہ تین دفعہ پڑھی۔ اگلے سال پھر کسی نے خواہش ظاہر کی کہ اب اسے

کتاب تبدیل کروادو۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ ابھی اس نے پوری نہیں سیکھی ہے وفات کے وقت مجھے وصیت فرمائی کہ اس کا خیال رکھو اور اسی طریقہ سے انہیں چلائے رکھو۔ اب تو فارغ ہوکر دوسرے سال بخاری شریف اور صدرا شمس بازغہ سے کم پڑھانے پر راضی نہیں ہوتے۔ حالاں کہ علم کی بنیاد خلاصہ میزان سے پختہ ہوتی ہے یہی نتیجہ ہے کہ آج کل میزان وصرف میر کے پایہ کا کوئی کتاب بھی نہیں لکھا جا سکتا۔

ہندوستانی علماء میں بھی پڑھانے اور محنت کا بڑا اہتمام ہوتا ہے بلکہ اکثر پڑھنے کے ساتھ ساتھ اوروں کو بھی پہنچاتے ہیں۔ ہمارے حضرت مولانا طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ میں مشکوٰۃ شریف پڑھا کرتا تھا اور گھر جاکر والدہ صاحبہ اور جدہ محترمہ یعنی حضرت نانوتوی قدس سرہ کی اہلیہ کو سنایا کرتا۔ ہمارے اساتذہ میں سے جناب صاحب چلیسر تھے۔ ہم موضع امازو گڑھی (ضلع مردان) میں ان سے مُلا حسن پڑھتے تھے ہمارے استاذ بھی اس جگہ مسافر تھے اور بڑے تکالیف برداشت کرتے تھے۔ میں نے ایک دفعہ ان سے اس بارہ میں پوچھا انہوں نے فرمایا کہ سردی کے موسم میں ہمارے ہاں پہاڑی علاقوں میں طلبہ ٹھہرتے نہیں اس لئے اساتذہ خود طلبہ کو پڑھانے کے لئے سفر اختیار کرکے یہ مشقتیں اٹھاتے ہیں اور علم کی قدر تب ہے کہ پڑھانے میں مہارت ہو جائے۔

علم کے لئے سفر ہمارے اسلاف نے فراغت کے بعد بھی ایک ایک مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی۔ جزئی جزئی مسئلہ کے لئے سفر اختیار کئے۔ یہی احادیث جو آپ نے پڑھے صحابہ کرام نے ایک ایک حدیث کے لئے دور دراز سفر کئے۔ حضرت جابرؓ ایک اولوالعزم صحابی اور حضرت انسؓ کے پایہ کے بزرگ ہیں آٹھ سال تک حضورؐ کے خدمت میں حاضر باش خادم رہے۔ ہزاروں کی تعداد میں احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ سُنی ہوں گی اور سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا ہوگا۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضورؐ کا ایک حدیث حضرت جابرؓ نے کسی سے سنا کہ قیامت کے دن زمین بالکل ایک ہی سطح اور ہموار ہو جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ اعلان فرمادیں گے کہ ایک دوسرے سے اپنے حقوق اور مظالم کا عوض لے لے۔ الحدیث الی آخرہ۔ حضرت جابرؓ کو معلوم ہوا کہ دمشق (شام) میں حضرت عبداللہ بن انیس علامات قیامت کے ذیل میں یہ حدیث سناتے ہیں۔ اس کبر سنی اور ضعف میں اونٹنی لی اور دمشق روانہ ہوئے اور اتنا طویل سفر اختیار کیا صرف علم اور ایک ہی حدیث کے لئے پھر اونٹنی کا تکلیف دہ سفر راستہ کی خرابی کی وجہ۔ جب کہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے بسوں میں ہمارا دل گھبراجاتا اور سوچتے کہ وہ بھی مسلمان تھے جنہوں نے اسلام کی خاطر یہ دشوار گذار راستے اونٹنیوں پر طے کئے۔ حضرت جابرؓ جیسے اولوالعزم صحابی اور اتنا لمبا سفر صرف اس لئے کہ ایک حدیث بالمشافہ سُن لیں اور یہ شغف اور شوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل مصاحبت اور استفادہ کے باوجود حالانکہ عبداللہ بن انیس کا درجہ آپ سے بہت کم ہے۔

ہر بڑے چھوٹے سے تحصیل علم حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بہت بڑے عالم تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے بارہ میں فرماتے کہ:۔

ان لہٗ لساناً و بلغۃ ۔ ان سے کسی نے دریافت کیا کہ کس طرح اتنے بڑے عالم بنے فرمایا کہ میں نے ہر شخص سے پڑھنے اور سیکھنے کی کوشش کی بڑے اور چھوٹے کا امتیاز نہیں کیا خواہ بلال حبشی ہوں یا صدیق و فاروق یا صہیب رومی ۔ عالم دون عالم کو نہیں دیکھا بس علم کے حصول کی کوشش کرتا رہا ۔ حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ سے تین مسائل اور وہ بھی تکوینیات کے سیکھنے کے لئے بر و بحر کا سفر اختیار کیا ۔ علم غیر ضروری کے لئے اتنی مشقت اٹھائی ۔ ہمارے اکابر میں ایسے حضرات گذرے ہیں جن کے لاکھوں کی تعداد میں مریدین و معتقدین موجود تھے مگر علم کے بارہ میں کسی تکلف سے کام نہ لیا اور بلا جھجک اپنے علم کے بڑھانے میں لگے رہے ۔

علم کی بھوک | دیوبند کے مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب مرحوم کو آیتہ کریمہ

وان لیس للانسان الا ما سعیٰ ۔ اور انسان کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے کوشش کی ۔ اور اس حدیث کے مضمون میں تعارض محسوس ہوا جس میں فرمایا گیا ہے کہ اموات کو اولاد صالح کے اعمال صالحہ اور خیرات و صدقات کا فیض پہنچتا رہتا ہے چارپائی میں لیٹے لیٹے اس مسئلہ کے بارہ میں پریشانی محسوس کی ۔ اور خیال ہوا کہ اگر اس رات موت واقع ہوئی تو ایک آیت کریمہ کے بارہ میں شبہ محسوس کرتے ہوئے مرجاؤں گا ۔ راتوں رات گنگوہ کے دور دراز سفر کا عزم کیا ۔ رات بھر پیادہ چلتے رہے دشوار گذار اور خطرناک جنگل طے کئے ۔ صبح سویرے گنگوہ پہنچے حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نماز کے لئے وضو فرما رہے تھے ۔ مولانا نے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی ۔ حاضر ہوئے حضرت کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ عزیز الرحمان ہیں اور اس مقصد سے حاضر ہوئے ہیں ۔ کہ اس اشکال کو رفع فرمایا جائے ۔ حضرت گنگوہیؒ عظیم شخصیت تھے اللہ تعالیٰ نے تبحر اور تفقہ کی دولت عطا فرمائی تھی ۔ مختصر جواب دے کر اشکال رفع فرمایا کہ آیت میں سعی سے مراد سعی ایمانی ہے ۔ پھر اشکال نہیں رہا اور اسی وقت دیوبند روانہ ہوئے ۔ حدیث شریف میں آیا ہے :۔

منہومان لا یشبعان طالب الدین و طالب الدنیا

علم و دین کا طالب العلم کبھی علم اور دین سے سیر نہیں ہوتا ۔ ہمیشہ اسے طلب اور بھوک رہتی ہے ۔

دیوبند میں ہمارے ایک ذکی عالم و فاضل استاد تھے تدریس کے دوران اگر طالب العلم کا شبہ زائل نہ ہوتا اور خود ان کو اطمینان نہ ہوتا تو اٹھ کر حضرت شاہ صاحب مرحوم یا کسی دوسرے بلند پایہ مدرس کی خدمت میں جا کر ان سے پوچھ لیتے اور واپس ہو کر طلبہ سے کہتے کہ فلاں مولانا [illegible] آیا ہوں انہوں نے یوں فرمایا ۔ یہ شان تھی کہ طالب علم میں نہ پوچھنے سے عار ہے نہ شرم محسوس ہوتی ہے ۔

رفع علم و اشاعت جہل | علامات قیامت میں سے ایک رفع علم اور ظہور و اشاعت جہل بھی ہے بظاہر اس کا سبب یہی ہے کہ علماء مر جائیں گے اور آئندہ نسلوں میں علماء پیدا نہ ہوں گے ۔ طالب العلم پڑھے گا اور علم پڑھائے گا نہیں اس لئے آنے والی نسل جاہل بن جائے گی ۔ رفع علم کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ علماء کے سینوں سے علم لے لیا جائے

جاہل بن جائیں۔ اگرچہ بظاہر کثرت سے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ اس صورت کو قدرت ہونے کے باوجود نہیں متحقق کرتے۔

حضرت ابوذر رضا فرماتے ہیں کہ اگر تلوار سر پر لٹکی ہو اور ابھی گرنے والی ہو لیکن میں ایک مسئلہ سیکھ سکوں تو اس موقعہ کو غنیمت سمجھوں گا۔ ہمارے حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے وفات کی رات بھر مطالعہ کو نہ چھوڑا۔ ڈاکٹروں نے بہت منع کیا مگر فرماتے یہ ایک مستقل مرض ہے اس کا کیا علاج کروں؟ تو حرص اگرچہ ممنوع ہے لیکن علم اور دین کے لئے اس کا ہونا پسندیدہ ہے۔ اس لئے کہ یہاں اسباب و مسببات کا سلسلہ ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو بغیر تعلیم و تعلّم کے سب کو عالم بنا دے مگر یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے انّما العلم بالتعلّم۔ علم تعلیم ہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ پہلی صورت کا تحقق عام ہے۔ اشاعت جہل اور علم کے اٹھ جانے کا نمونہ آج ہمارے سامنے ہے اساتذہ پڑھاتے نہیں طلبہ اس کو ضروری نہیں سمجھتے۔ دنیا کا میلان دوسرے طرف ہے اس لئے علم کی وقعت کہاں رہے گی تمہاری کوشش ہونی چاہیئے کہ قیامت کے آنے کے اسباب دفع کئے جائیں۔ نہ کہ اسے اپنی طرف کھینچا جائے۔ تقدیر کا معاملہ تو الگ چیز ہے مگر تقدیر کے باوجود اللہ نے اسباب پیدا کئے ہیں اور تقادیر اسباب سے معلّق ہیں۔ تو بظاہر علم موجب تاخیر ساعۃ اور جہل موجب جذب ساعۃ ہے۔ والعلم یشاعُ بالتعلیم والتبلیغ فی الخواص والعوام (بخاری)

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا:۔

علماء کرام اللہ تعالیٰ کے عبید اور ملازم ہیں ان کا کام اللہ تعالیٰ کا پیغام اوروں تک پہنچانا ہے کوئی سنے یا نہ سنے مانے یا نہ مانے۔ کوئی اس کی عزت کرے یا نہ کرے ہمیں اجر اللہ سے مانگنی ہے عوام سے نہیں۔ عوام ہمیں محتاج نہیں ہیں کہ ہماری عزت کریں۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کے لئے تبلیغ کریں گے لوگوں کے لئے نہیں روٹی دیں یا نہ دیں گالی دیں یا ہمیں ماریں۔ دنیا کا معمولی عہدہ دار۔ تھانیدار وغیرہ اپنے حاکم کے احکام پہنچانے کے لئے کسی کی گالی گلوچ، ناراضگی کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ دنیاوی حکام کے ملازم ہیں اگر لوگ بکتے رہیں مگر انہیں اپنا کام کرنا ہوتا ہے۔ پھر علماء تو احکم الحاکمین کے نائب اور غلام ہیں۔ اس نے تمہیں حکم دیا کہ میرے احکام پہنچانے رہو اب لوگ آپ سے درخواست کریں یا نہ کریں۔ اگر مال و دولت نہیں تو کوئی پرواہ نہیں ساتھی نہیں تو کوئی فکر نہیں۔ جس طرح تمام عالم کا نظام خدا کے ہاتھ میں ہے اسی طرح دین کا نظام بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔ اگر چاہے تو سب کے دلوں کو دین کے طرف پھیر دے مگر یہ اس کی حکمتوں کے خلاف ہے۔

رسول اللہ کی جو محبت و شفقت اپنی امت اور پھر [illegible] دعوۃ کے ساتھ ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ حضور اقدس صلعم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ میری امت کی مثال ایسی ہے کہ اندھیری رات میں آگ کا ایک الاؤ جل رہا ہو۔ اور آگ کا ایک بہت بڑا گھڑا روشن ہوا اور دنیا کے کونہ کونہ سے پروانے آ آ کر اس آگ سے خود کو جلا کر راکھ کر رہے ہوں۔ چاروں طرف سے اس میں کود رہے ہوں اور چاروں طرف اندھیر ہی اندھیر ہے اس حال میں میں ایک ایک کو کمر سے پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں اور پکار رہا ہوں کہ سامنے آگ ہے اس سے

بچو جتنا بھی کوشش کرتا ہوں مگر بعض پروانے جل ہی جاتے ہیں۔ اتنی محبت تھی یہاں تک کہ بسا اوقات لوگوں کی اصلاح وہدایت کے غم سے کبھی سخت غمگین ہوجاتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لعلك باخع نفسك علی آثارهم ان لم یومنوا بهذا الحدیث اسفا دوسرے جگہ اس طرح تسلی دی لست علیهم بمصیطر انما انت نذیر۔

ایک موقع پر حضور اقدس کو ارشاد فرمایا

سواء علیهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم لا یومنون ○ — اگر انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ یہ ان کے حق میں برابر ہے اگر تم انہیں ڈراؤ بھی مگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

لیکن تم اپنا تبلیغ جاری رکھو سواء علیهم فرمایا سواء علیك نہیں کہ تیرے حق میں نصیحت کرنا نہ کرنا برابر ہے بلکہ فرمایا کہ ان کے حق میں تیرا ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے مگر تم بیان کرتے جاؤ وعظ کرتے رہو تاکہ ان کے لئے اتمام حجت ہوتا رہے آج اگرچہ ہر طرف مایوسی پھیلی ہوئی ہے کہ دین کے باتوں کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

حالات کی ناسازگاری | ایسا وقت ہے کہ تبلیغ کرنے کے اثرات نہ دیکھ کر ایک عالم اور مبلّغ کو مایوس ہونا پڑتا ہے کہ بظاہر بالکل پورے زور شور سے ترقی کر رہا ہے اور تبلیغ کا کوئی فائدہ محسوس نہیں ہوتا۔ ایسے حالت میں حوصلے پست ہوجاتے ہیں اور ہمت کمزور ہوجاتی ہے۔ لیکن ہمارے سامنے حضور اقدس کا نمونہ موجود ہے کہ خدا نے تمام دنیا کی ہدایت کا کام سپرد فرمایا وما ارسلناك الا کافة للناس بشیرا و نذیرا اور ہم نے تجھے ساری بنی نوع انسانیت کے لئے بشارت دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ حضور اقدس کے طرف سے ایک آواز نکلتی ہے تمام دنیا ہے مقابلہ میں باہر بھی خرابی ہی خرابی ہے اور اندر کی حالت بھی خراب ہے حالات ہر طرف سے ناساز ہیں۔ ادھر حضور اقدس کی بے سروسامانی کا اندازہ بھی لگائیے کہ نہ دولت ہے نہ طاقت ہے۔ بچے پر اپنے باپ کا سایہ ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی موقع نہ دیا اور یتیم ہو گئے۔ کہ کل کوئی یہ نہ کہے کہ ان کے والد دولت مند اور طاقت ور تھے۔ یا لوگوں کے ہمدرد تھے جس کی مدد سے حضور اقدس نے لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا۔ ظاہری اسباب کچھ بھی نہیں مگر اسلام کی تبلیغ شروع کی ایک ایک شخص کے گھر جا کر منت سماجت کی کہ پانی بھر دوں گا تم ہاتھ پاؤں دھولو وضو کرلو۔ کپڑے دے دوں گا کہ پہن کر نماز پڑھ لو۔ تبلیغ و دعوت کے جتنے طریقے ممکن تھے سب آزمائے۔ خدمت کے طریقے۔ منت سماجت کے طریقے سب آزمائے۔ کفار بھی سمجھے کہ اس طرح حضور اقدس کامیابی سے ہمارے لوگوں کو ایک ایک کرکے اپنا ساتھی بنا رہے ہیں۔ تو مقابلہ کے لئے اٹھے۔ کیونکہ اس طریقہ کی کامیابی ظاہر تھی کن کن طریقوں سے مکّہ کے چودہ سالہ زندگی میں دعوت و تبلیغ کا کام کیا؟ لوگوں کی مخالفت، گالی گلوچ۔ تو تو میں میں تک کر اپنا کام نہیں چھوڑا۔ اصلاح کرتے رہے ایک طرف پتھر برس رہے ہیں دوسرے طرف سے پھول کا وار بھی نہیں۔ ابوجہل تک کو بھی اس وقت بددعا کی جب کہ وہ

حضورؐ کے محبوب ترین عمل نماز میں خلل انداز ہوا۔ نماز حضورؐ کا طبعی تقاضا تھا اس میں آنکھوں کی ٹھنڈک تھی اپنے رب کے ساتھ مناجات کے حالت میں جب اس نے شرارت کی تو اس کو بد دعا فرمائی۔ کہ جب بدن کا ایک پھوڑا اور ناسور علاج معالجہ سے بالکل ٹھیک نہ ہو سکے تو اس کو کاٹ دیتے ہیں تاکہ سارا بدن اس سے ضائع اور خراب نہ ہو جائے۔ ورنہ ابوجہل کے اس واقعہ کے علاوہ جتنی بھی مخالفت کی جاتی آپ دعا فرماتے کہ اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون اے اللہ میری قوم ناسمجھ ہے ان کو ہدایت دیدے۔

حضورؐ نے بلا اجر خدمت کی | اور اس تمام جدوجہد اور قربانیوں کا ذرہ بھر فائدہ اور اجر دنیا میں حاصل نہ کیا۔ نیت رضائے خداوندی اور للہ فی اللہ تھی۔ مخلص جان نثار صحابہؓ کو بھی آپ نے یہی تعلیم دی کہ رضائے خدا مطلوب ہونی چاہئے اپنے اور اپنے خاندان کو ذرہ بھر نفع حاصل نہ کیا اپنے اولاد اور خاندان کو میراث سے بھی محروم کر دیا فرمایا

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ — ہم انبیاء کے جماعت میراث نہیں چھوڑتے بلکہ جو کچھ ہوتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے ساری امت پر۔

بوری کے ٹھاٹ پر رات کو آرام فرماتے۔ کمرہ کی یہ حالت تھی کہ حسن بصری بعد از بلوغ ایک دفعہ اس کمرہ میں داخل ہوا تو سر جھکا کر داخل ہوئے تاکہ چھت کے ساتھ سر نہ لگے۔ دو دو ماہ تک فاقے کرتے رہے۔ گھر میں دو دو ماہ تک آگ نہیں سلگی۔ مرض وفات میں گیہوں کی خواہش ہوئی تلاش کے باوجود دستیاب نہ ہو سکی یہاں تک کہ جب وصال فرمایا تو

مات النبی ودرعہ مرھونۃ عند یھودی — چند صاع جو کے عوض زرہ مبارک ایک یہودی کے ساتھ گرو تھی۔

یہ نہ کہ بیت المال میں کسی چیز کی کمی تھی سب کچھ موجود تھا لاکھوں روپے ایک ایک دن میں آئے ۔۴۰ ہزار بکریاں ۲۴ ہزار اونٹ ۴ ہزار اوقیہ ایک جنگ حنین میں آئے جس کے واحد متصرف آپ تھے لیکن اپنی زندگی جس طرح بسر فرمائی اس کا اجمالی ذکر آپ کے سامنے ہوا قناعت اور فقر کا یہ عالم۔

اختیاری فقر | خداوند قدوس نے آپؐ کے لئے پہاڑوں اور جبال کا سونا بننے کی پیش کش کی کہ اگر آپ چاہیں تو یہ پہاڑ آپ کے لئے سونا چاندی بن جائیں مگر آپ نے یہ چیز پسند نہ فرمائی غربت و فقر کو پسند فرمایا اپنے اولاد کے لئے دعا فرمائی کہ

اللھم اجعل رزق آل محمدٍ قوتاً

خود دعا فرماتے کہ اے اللہ میری زندگی اور موت مسکینی کی حالت میں گذرے اور مجھے آخرت میں بھی مساکین کے زمرہ میں اٹھا دے اور دعا فرماتے کہ اللہ مجھے ایک دن کھانا دے تاکہ تیرا شکر ادا کرتا رہوں اور ایک دن بھوکا رکھ تاکہ تجھ سے سوال کر کے تجھے یاد کرتا رہوں۔ اور آپ کی دعاؤں کا اثر ہے کہ اصلی سادات میں آج تک وہی توکل۔ للہیت۔ غربت اور سخاوت مال و دولت کی بے رغبتی پائی جاتی ہے ہمارے شیخ حضرت مولانا مدنی قدس سرہ العزیز کا سارا سرمایہ اُن کے

جیب اور بٹوے ہی میں رہتا تھا۔ سخاوت بے انتہا تھی ساری زندگی میں مکان تک نہ بنوایا تو سادات آمدنی کے باوجود فقیر رہتے ہیں۔ تو حضور اقدسؐ کا منشا یہ تھا کہ اس ساری تبلیغ و جدوجہد کا کوئی دنیاوی ثمرہ اپنے اور اپنے اولاد کے لئے حاصل نہ کروں۔

تحمل و بردباری اور پھر اس تمام تبلیغ کے دوران جس تحمل و بردباری کا ثبوت دیا اس کی نظیر بھی دنیا میں نہیں مل سکتی۔ اور رحم دلی اور حلم اور شان رحمت کے بناء پر کسی کو حتی الوسع اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا اس لئے کہ نبی کا مقتول یا نبی کا قاتل عذاب خداوندی کا مستحق ہوتا ہے۔ جہاد کے سارے مواقع بلکہ ساری زندگی میں صرف ایک کافر ابی بن خلف کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا جو بہت شریر اور سخت دشمن تھا۔ اور حضور اقدسؐ کے قتل کرنے کا نذر اور حلف کر چکا تھا۔ حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ ابی کو آنے دیجئے کہ نذر پورا کر دے کب تک بھوکا پیاسا رہے گا۔ ابی اپنے برے نیت پر آیا تو حضورؐ نے معمولی سا زخم اپنے نیزے کی انی سے اس کے گردن کے ساتھ لگایا جس سے وہ چیخنے اور چلانے لگا۔ اور اشد الناس عذابا کا مستحق ہو کر مر گیا۔ پھر حضورؐ کے شجاعت کا یہ عالم کہ جہاد میں سارے لشکر سے آگے آگے اور بقول حضرت علیؓ اشجع الناس آپؐ ہی تھے۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مقصد ذہنیۃ خالصتہً ہدایۃ خلق اور رضائے خداوندی تھا اور ان واقعات سے حضورؐ کی حسن نیت واضح ہوتی ہے۔

حسن نیت کا ثمرہ حضور اقدسؐ کی عمل اور قربانی نے مقبولیت اور بار آوری حاصل کی اور یہ حضورؐ کے عمل کے برکات و فوائد ہیں کہ سارے عالمین اس سے مستفید ہوئے وہ عمل دن بدن بار آور ہو رہا ہے۔ اسی کروڑ سے زیادہ مسلمان دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں آج ہم چودہ سو سال بعد بھی الحمدللہ پاکستان میں اسلام کا نام لے رہے ہیں ننانوے فی صدی اسلام حضور اقدسؐ کے نام لیوا ہیں۔ یہ چند ٹوڈی لوگ جو انگریزیت کے وجہ سے نئے نئے اسلاف کے خلاف لگا رہے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ ان چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں انگریزوں نے یہاں دو سو سال حکومت کر کے ایک تحریک چلائی مگر ان کے جانے کے ساتھ ہی وہ تحریک بھی زوال پذیر ہو رہا ہے۔ تو گویا ہر تحریک کا یہی انجام رہا۔ سوائے حضور اقدسؐ کے مساعی جمیلہ کے کہ دن بدن اس یتیم ابی طالب کی آواز پھیلتی جا رہی ہے جس نے آکر بدعملی اور بداخلاقی کی دنیا بدل ڈالی۔ ہر عمل کی مدار نیت پر ہے۔ اور جس ذات کے نیات اور عزائم کا یہ عالم ہو جو بیان ہوا اس میں کذب و افترا اور خود غرضی کا شائبہ تک بھی نہیں آسکتا۔ پیغمبری کا مدار بھی نیت پر ہے اور بقدر نیت داد اور فیضان ہوتا ہے۔ اب آپ کا حسن نیت خاتم النیات ہے اس لئے نبوت بھی خاتم النبوۃ ہے۔ اور جو فیضان ہو وہ بھی خاتم الوحی اور افضل الوحی کے شکل میں موجود ہے۔ حسن نیت ایک ایسی دولت ہے کہ ایک غریب اور بے سر و سامان مولوی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد غربت میں رکھی اور اس کے عمل نے وہ مقبولیت حاصل کر لی کہ ہندوستان بھر میں اس کا فیض پھیل گیا۔ دوسرے نواب حیدر آباد نے اس کے مقابلہ میں لاکھوں روپے کے سر و سامان سے جامعہ عثمانیہ

باقی ص ۲۲ پہ

اشتہار

ڈسٹرکٹ ملیریا کنٹرول پروگرام پشاور زون

درج ذیل آسامیوں کو پر کرنے کی غرض سے موزوں امیدوار مطلوب ہیں۔
انٹرویو اور انتخاب کے لیے مورخہ ۵۰،۱۲،۰۷۸ کو دفتر ڈسٹرکٹ ملیریا کنٹرول آفس نزد نل ہیڈ کوارٹرز ظہیر آباد نزد شاہی باغ خواہش مند حضرات بمعہ تعلیمی اسناد اور ڈومیسائل سرٹیفیکیٹ حاضر ہو جائیں

نمبر شمار	نام اسامی و سکونت	تعداد	تنخواہ کا سکیل	تعلیمی قابلیت	عمر	تجربہ
۱	مائیکروسکوپسٹ سکونت ضلع پشاور	۵	سکیل نمبر ۵ ۲۹۰-۱۰-۳۵۰/ ۱۲-۴۷۰	میٹرک سیکنڈ ڈویژن بمع سائنس یا انٹرمیڈیٹ	۱۸ تا ۲۵ سال	منتخب امیدوار کو محکمہ ہذا کا خاص کورس پاس کرنا پڑیگا
۲	ملیریا سپروائزر سکونت مہمند ایجنسی	۱	سکیل نمبر ۵ ۲۹۰-۱۰-۳۵۰/ ۱۲-۴۷۰	میٹرک سیکنڈ ڈویژن بمع سائنس اور ڈرائنگ	۱۸ تا ۲۵ سال	؍؍ ؍؍ ؍؍
۳	ڈرائیور ضلع پشاور	۱	سکیل نمبر ۳ ۲۷۰-۷-۳۲۶/ ۸-۳۹۰	لکھنا پڑھنا جانتا ہیوی ڈرائیونگ لائسنس رکھتا ہو۔	۱۸ تا ۲۵ سال	ہیوی وہیکل ڈرائیونگ میں پانچ سالہ تجربہ

ڈسٹرکٹ ملیریا کنٹرول آفیسر
ایم سی پی پشاور زون

INF (A) 2311

علوم اسلامیہ کے سرچشمے

علی گڑھ سیمنار میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تقریر

۱۵ر جنوری ۷۷ء کو اس سیمنار کا اختتامی جلسہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پرو وائس چانسلر پروفیسر محمد شفیع صاحب کی صدارت میں ہوا۔ اس موقع پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء) سے اختتامی خطاب کی فرمائش منتظمین جلسہ نے کی۔ شرکاء جلسہ میں پروفیسر اے۔ ایم۔ خسرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ڈاکٹر مسعود حسین خاں وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ڈاکٹر مسعود حسین خان وائس چانسلر جامعہ ملیہ دہلی اور وہ سب فاضل مقالہ نگار موجود تھے۔ جنہوں نے چار روزہ سیمنار میں اپنے مقالات پڑھے اور بحث و گفتگو میں حصہ لیا۔ ان کے علاوہ یونیورسٹی اور شہر کے متعدد صاحب ذوق اصحاب اور خواتین موجود تھیں ؛

مہارت اور اختصاص ضروری ہے۔

حضرات! میں آپ کی اس عزت افزائی کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے مجھے اس علمی مجلس کے افتتاح کے موقع پر اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا۔ اب اس کے آخری نشست کے اختتام پر بھی مجھے تقریر کا موقع دیا ہے۔ آغاز و انجام میں خاص مناسبت ہے۔ میں آپ کے اس اعتماد و اعزاز کے لیے دل سے شکر گذار ہوں۔ مجھے بڑی مسرت ہے کہ علوم اسلامیہ اور دینی موضوعات سے کچھ عرصہ سے عصری دانش گاہوں کے فضلاء بھی دلچسپی لینے لگے ہیں اور یہ سیمنار اس کی دلیل ہے۔ اب علوم اسلامیہ کے ایک خادم اور میدان تحقیق کے پرانے مسافر کو اقبال کے لفظ میں یہ کہنے کا حق ہے کہ ؂

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

دماغی صلاحیتوں کا خزانہ کسی ایک طبقہ میں مرکوز نہیں ہے۔ نہ کبھی مرکوز رہا ہے اور نہ کبھی مرکوز ہو سکتا ہے ——— اور ایسا ہونا کچھ اچھا بھی نہیں۔ اس طبقہ کے لئے خواہ یہ بات کتنی ہی نازش و افتخار کی ہو۔ لیکن انسانیت کے حق میں یہ کوئی بہتر بات نہیں ہے کہ انسانی ذہانتوں کا خزانہ اور محنتوں کا ذخیرہ کسی ایک طبقہ میں مرکوز

ہوکر رہ جائے، جہاں تک اسلام کا تعلق ہے آپ سب جانتے ہیں کہ اسلام میں علمائے دین کا کوئی مخصوص موروثی طبقہ نہیں ہے۔ کلرجی (CLERGY) اور پریسیڈ ہڈ (PRIST HOOD) کا تخیل مسیحی دنیا میں ملتا ہے اس کا دنیائے اسلام میں کہیں وجود نہیں، اگر ہمارے بعض اہل قلم مصنفین کی تحریروں میں کچھ ایسی تعبیرات اور الفاظ آتے ہیں تو بے سوچے سمجھے یا مغرب کی تقلید میں مثلاً اس وقت عرب مصنفین کے یہاں "رجال الدین" کا ایک لفظ استعمال ہوتا ہے جو تقریباً اسی معنی میں ہے جو مسیحی دنیا میں پریسٹ ہوڈ (PRIST HOOD) کے لئے استعمال ہوتا تھا اس لئے محتاط مصنفین نے جو اسلام کی صحیح فکر کی ترجمانی کرنا چاہتے ہیں۔ ان لفظوں سے ہمیشہ احتراز کیا ہے۔ لیکن علوم اسلامیہ کی طرف عصری دانش گاہوں کے فضلار کی توجہ پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بھی میں یہ اضافہ کروں گا کہ کلرجی (CLERGY) اور پریسٹ ہڈ (PRIST HOOD) اسلام میں نہیں ہے لیکن ایکسپرٹ (EXPERT) اور اسپیلسٹ (SPECILIST) ماہرین فن اور اصحاب اختصاص کا وجود ہمیشہ رہا ہے۔ اور یہ ایک علمی حقیقت ہے۔ اس لئے کہ علوم اتنے پھیل گئے ہیں اور ان میں اتنا تنوع اور وسعت پیدا ہوگئی ہے کہ ایک آدمی کے لئے ہمہ داں ہونا عملاً ناممکن ہے، یورپ میں بھی ترقی اس وقت سے شروع ہوئی جب وہاں تقسیم کار کے اصول پر عمل کیا گیا، اور علوم کے مختلف شعبے تقسیم ہوگئے۔ اور اس کی کوشش مغربی فضلار نے چھوڑ دی کہ وہ تمام علوم میں اتھارٹی اور سند کا درجہ حاصل کریں جہاں تک مجھے علم ہے یورپ میں اب بھی اس اصول کا احترام مشرق سے زیادہ کیا جاتا ہے۔ وہاں کسی علم کے فاضل بھی بعض اوقات اس علم کے بعید تعلقات کے متعلق بغیر کسی شرم و ندامت کو محسوس کئے کہہ دیتے ہیں کہ یہ ہمارا موضوع نہیں اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے ہمیں اس کو اصول کے تحت تسلیم کر لینا چاہئے کہ ہماری آئندہ دلچسپیاں اور علمی اور تصنیفی سرگرمیاں کسی خاص موضوع یا فن کے ساتھ مخصوص ہوں گی۔

معیار کی طرف توجہ کی ضرورت ہے

مجھے خوشی اور فخر ہے کہ میں آپ کا ہم سفر ہوں ہم سفری کے اس حق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں آپ کے سامنے چند باتیں عرض کر دینا چاہتا ہوں، آپ اس کو کسی تعریض پر محمول نہ فرمائیں۔ پہلی بات جسے میں محسوس کر رہا ہوں اور آپ میں سے بہت سے لوگ محسوس کر رہے ہوں گے بہت سے سینیئر اسکالرز یہاں موجود ہیں جن کے ٣٠، ٤٠ برس اس صحرانوردی میں گزر رہے ہوں گے۔ کہ علم و تحقیق کا معیار روز بروز گھٹتا جا رہا ہے۔ مجھے یورپ کے سفروں میں بھی اس کا احساس ہوا اور میں نے بعض فضلا سے بھی سنا وہاں بھی اورنٹیل ازم کا جہاں تک تعلق ہے۔ یعنی مشرقی مباحث پر لکھنے کا، اس کا معیار فروتر ہوگیا ہے اور وہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ جتنی محنت اور جیسا عشق اور لگن گذشتہ نسل کے فضلار میں تھی اس میں کمی ہے۔ اس کے پیچھے بہت سے عوامل اور (FACTORS) کام کرتے ہیں۔ کچھ سیاسی ہیں کچھ معاشی ہیں۔

استشراق کی ترقی کا راز

ہر علم کے پیچھے بعض بہت طاقت ور محرکات ہوتے ہیں۔ فزکس اور ٹکنالوجی یا اکنامکس

کے چند دائروں کو چھوڑ کر جہاں تک علمی اور نظری مباحث کا تعلق ہے۔ اورینٹل ازم کو جو یورپ میں اعزاز حاصل تھا مستشرقین اور ان کی کتابوں کی جس طرح قدر ہوتی تھی وہ کم علوم کو حاصل تھی، یہاں تک کہ ادبیات اور لسانیات کے علوم کو بھی شاید وہ درجہ نہیں دیا جاتا تھا۔ اس کے پیچھے ایک بہت بڑا عامل یا (FACTOR) کام کر رہا تھا ہم کو خوشی ہونی چاہیئے کہ وہ اب باقی نہیں رہا، وہ تھا استعمار، مشرق کے سب سے زیادہ سرسبز و شاداب ممالک بدقسمتی یا خوش قسمتی سے مسلمانوں کے زیر اثر تھے۔ ان پر مغرب کی للچائی ہوئی نگاہیں پڑ رہی تھیں۔

استعمار نئی نئی نوآبادیاں (COLONIES) قائم کرنا چاہتا تھا اس لئے وہاں کے قومی مزاج اور خصوصیات اور ان کی خوبیوں سے زیادہ کمزوریوں سے واقف ہونے کی ضرورت تھی اس کے لئے مستشرقین ایک ہراول دستہ (POINEER) کا کام کرتے تھے۔ ان کے پیچھے حکومتوں کی سرپرستی تھی، بڑے بڑے فنڈ اور بڑے بڑے ادارے تھے۔ اور ان کا اکرام بادشاہ اور صدر جمہوریہ کے دربار میں بھی ہوتا تھا یہ (FACTOR) عرصہ ہوا کمزور پڑ گیا ہے۔

دوسرا معاشی عامل (FACTOR) تھا اس پر بھی کچھ اثر پڑا ہے۔ معاشی ڈھانچہ میں ایسی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ اب وہ انعام ملنا مشکل ہے جو پہلے ملتا تھا۔

علم کا عشق

تیسری چیز جو زیادہ توجہ کے قابل ہے، اور اس کو میں اصل سمجھتا ہوں وہ ہے علم کا عشق جو ہماری پہلی نسل میں تھا ایک لگن اور خود فراموشی کی کیفیت جو اس عہد میں تصنیفی اور تحقیقی کام کرنے والوں پر طاری رہتی تھی۔

یہ بات کسی خاص دانش گاہ یا جامعہ کو سامنے رکھ کر نہیں کہہ رہا ہوں یہ میرا عام مطالعہ ہے تقریباً سب جگہ یہ محسوس کیا جا رہا ہے اور یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ علم سے عشق جو ہمارے اسلاف میں پایا جاتا تھا، اسلاف سے مراد مسلمانوں ہی کے اسلاف نہیں بلکہ گذشتہ نسل میں پایا جاتا تھا۔ وہ اب بہت کم نظر آتا ہے۔

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کی کتاب "علمائے سلف" جو انہوں نے اسی علی گڑھ میں لکھی ہے اس کو پڑھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علم کا عشق اس وقت کے مصنفین اور محققین کے دلوں میں کیسا موجزن تھا اور آج اس میں کس قدر نمایاں انحطاط ہوا ہے۔ یہ انحطاط کیوں؟ اس کا تعلق سیاسیات، معاشیات، ادبیات اور اخلاقیات سب سے ہے اس کے پورے اسباب کا تجزیہ کرنا اس وقت نہ ضروری ہے اور نہ اس کی گنجائش ہے لیکن اتنی بات آپ تسلیم کریں گے اور ہمارے معزز شرکا کار اور حضرات تسلیم کریں گے کہ علم سے عشق، شمع علم پر پروانگی کی کیفیت علم و تحقیق کا ایسا جنون کہ کھانے پینے، کپڑے کا ہوش نہ رہے، آج مفقود بلکہ معدوم نظر آتا ہے، علمائے سلف کے واقعات کو چھوڑ دیجئے۔ اسی علی گڑھ میں جو علماء پیدا ہوئے۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی ان کے اس عشق کو دیکھئے اور اس کو بھی آپ چھوڑ دیجئے۔ اس وقت کے مغربی مصنفین کے یہاں "لین" (LANE) جس کا عربی لغت انگریزی دانوں کے لئے ہی

نہیں بلکہ عربی ادب کے ان فضلاء کے لئے بھی قابلِ استفادہ ہے جو تفصیلات میں جانا چاہتے ہیں، اور وہ مواد یکجا دیکھنا چاہتے ہیں جو بعض اوقات بہت سے عربی لغتوں میں بھی نہیں ملتا۔ میں نے سنا ہے کہ قاہرہ میں جب وہ اس لغت کا کچھ حصّہ تیار کر رہا تھا تو مہینوں گذر گئے وہ کہیں نہیں گیا اس کو پتہ نہیں تھا کہ بازار کہاں ہے۔ بازاروں میں جانے اور اہرام مصر جیسے عجائبات عالم کو دیکھنے کی فرصت نہ تھی۔ اس کو آپ بدمذاقی یا مردہ دلی پر محمول کر سکتے ہیں لیکن یہ واقعہ ہے، بہت سی لازوال اور لافانی تصانیف کی تاریخ اگر آپ دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کے مصنفین پر خود فراموشی کا عالم طاری تھا یہ وہ چیز تھی جس نے مغرب و مشرق کے مصنفین کے قلم سے زندہ جاوید تصانیف اور ایسی تحقیقات نکلوائیں (جن سے اختلاف کے باوجود) ان کی علمی قدر و قیمت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

ماضی قریب کی علمی شخصیتیں

میرا روئے سخن خالص اپنے ان دوستوں سے ہے جو لکھنے پڑھنے کا کام کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ مولانا شبلی نے کتب خانہ اسکندریہ پر قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس کی۔ ایک زمانہ تھا جب ہندوستان میں مشترک دانش گاہوں میں پڑھنے والے مسلمان طلباء کو چڑھانے کے لئے صرف یہ کہنا کافی تھا "اچھا آپ اس نسل اس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں جس کے خلیفہ نے اسکندریہ کا کتب خانہ جلوا دیا تھا" ابھی وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے وہ زمانہ پایا ہے وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ منہ چھپاتے تھے بلکہ منہ چراتے تھے اور آنکھیں نہیں ملا سکتے تھے کہ اس کا کیا جواب دیں۔ ایک چلی ہوئی کہانی تھی کہ حضرت عمرؓ کو لکھا گیا کہ یہاں ایک کتب خانہ ہے جو ظہورِ اسلام سے پہلے کا ہے اور اس میں فلاسفہ کی اور منطقیوں کی کتابیں ہیں تو انہوں نے کہا کہ اگر وہ قرآن کے مطابق ہیں تو اس کی ضرورت نہیں اگر خلاف ہیں تو اس کو آگ لگا دینی چاہیئے۔ چنانچہ لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ قرآن کے خلاف ہیں اور بغیر پڑھے کتب خانے کو آگ لگا دی۔ یہ ایک کہانی تھی جس کو ٹائن بی (TYNBEE) جیسا مؤرخ تک دہراتا ہے۔ ٹائن بی نے جب رسم الخط کی تبدیلی اور کمال اتاترک کی اصلاح پر تبصرہ کیا تو اس نے کہا اب کتب خانہ اسکندریہ کو جلانے کی ضرورت نہیں صرف رسم الخط بدل دینا کافی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے اس پر قلم اٹھایا اور اس افسانہ کو آخری طور پر ختم کر دیا۔ اب کسی پڑھے لکھے کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ یہ کہے کہ کتب خانہ اسکندریہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ان کے حکم سے جلایا گیا۔ انہوں نے قدیم مؤرخین کی شہادتوں سے ثابت کر دکھایا کہ کتب خانہ اسکندریہ حضرت عمرؓ کی خلافت سے پہلے ہی جل چکا تھا اس کا وجود ہی باقی نہیں تھا۔ یا مثلاً انہوں نے جزیہ کے مسئلہ پر قلم اٹھایا تو اس بحث ہی کو ختم کر دیا۔ انہوں نے شعر العجم لکھی تو اہلِ ذوق اور فارسی دانوں سے اپنا لوہا منوا لیا۔ پروفیسر براؤن (PROF. BROWN) جن کی کتاب "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" اپنے موضوع پر (GOSPEL) کا درجہ رکھتی ہے اور دنیا کی اکثر یونیورسٹیوں کے کورس میں داخل تھی نے کہا کہ مجھے اب اردو سیکھنے کی تمنا پیدا ہوتی ہے۔ تو اس لئے کہ میں براہ راست شعر العجم کا مطالعہ کر سکوں۔ یہ سب اس علمی شغف اور

علمی استغراق کا نتیجہ تھا جو ان لوگوں پر طاری تھا۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ جن کا اصل موضوع قرآن مجید، سیرت نبویؐ اور تاریخ اسلام تھا۔ انہوں نے "عمر خیام" پر ایک ایسی کتاب لکھی جس کی داد فضلائے ایران نے بھی دی۔ اسی طرح ان کی کتاب "عرب و ہند کے تعلقات" محنت و کاوش اور ریسرچ کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

میں اس موقع پر "نزہتہ الخواطر" کا بھی ذکر کروں گا، جو میرے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کی تصنیف ہے اور عربی میں آٹھ ضخیم جلدوں میں مکمل ہوئی۔ اس میں ہندوستان کے ساڑھے چار ہزار مشاہیر اور اہل کمال کے تذکرے ہیں۔ انہوں نے بیسویں صدی کے آغاز میں اس کام کا بیڑہ اٹھایا جب عربی مطابع کا رواج اور اشاعت کی سہولتیں نہیں تھیں۔ تقریباً ۲۵ سال وہ اس کام میں مشغول رہے۔ اس وقت یورپ میں بھی یہ کتاب ہندوستانی علماء و فضلاء کے حالات معلوم کرنے کا سب سے بڑا ماخذ ہے۔ اسی طرح ان کی دوسری کتاب " الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند جو ہندوستان میں علوم اسلامیہ اور نصاب درس کی تاریخ اور ہندوستانی علماء کی تصنیفات کی مکمل ڈائرکٹری ہے اس کتاب کو دمشق کی رائل اکیڈیمی "المجمع العلمی العربی" نے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا میں نے وہاں کی علمی مجلسوں میں بڑے بڑے فضلاء کو اس کی تعریف اور مصنف کی محنت کا اعتراف کرتے ہوئے پایا۔

علم محنت بھی ہے اور انعام بھی

ایک آدمی اس وقت وہ کام کرتا تھا جو ایک اکیڈیمی اس وقت انجام نہیں دیتی یہ سب ایک آدمی کی محنت کا نمود، ایک آدمی کی محنت کا کرشمہ اور ایک آدمی کے علم سے عشق کا نتیجہ ہے۔ آج اکیڈیمیاں، بڑے بڑے ادارے اور شعبے موجود ہیں۔ لیکن سالہا سال میں وہ کوئی ایسی پیش کش نہیں کر پاتے جسے دیکھ کر اس علم کے ماہر یہ کہیں کہ ہاں یہ اوریجنل ORIGINAL چیز ہے بعض کتابیں دیکھ کر غالب کا وہ مصرع پڑھنا پڑتا ہے ع

اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

محنت کے معیار کو بڑھانے کی ضرورت ہے علم محنت بھی ہے، انعام بھی ہے، پیاس بھی ہے، پانی بھی، بھوک بھی ہے غذا بھی۔

جب تک اپنے فن سے اتنا تعلق نہ ہو کہ آدمی کو کتاب لکھنے پر اتنی خوشی ہو کہ وہ کہے اب مجھے اس ڈیپارٹمنٹ کا چیرمین بنایا جائے یا نہ بنایا جائے۔ میں نے اپنا کام کر دیا میری محنت وصول ہوگئی۔

آج کے فضلاء اپنی کتاب اور تحقیق کو مکمل نہیں کر چکتے کہ وہ اس کے انعام کے متوقع ہو جاتے ہیں۔ سب کی نگاہیں عہدے اور منصب کی ترقی، شہرت و ناموری اور تنخواہوں کی کمی بیشی پر لگی ہوئی ہیں اور ان کی ذہانت و توجہ کا بڑا حصہ اسی مقصد پر صرف ہوتا ہے۔ آپ بہت سے SMS سے واقف ہیں ایک نئے ISM کا اضافہ کر لیجئے جو ہماری دانش گاہوں

اور تعلیمی مرکزوں میں تیزی سے پھیل رہا ہے اور وہ ہے (CAREERISM) کیریزم ۔ یعنی (CAREER) کو بہتر بنانا اور تقرب اور علم کے ذریعے جاہ طلبی ۔

دلچسپی اور شغف عارضی نہ ہو

دوسری چیز یہ کہ یہ دلچسپی اور شغف عارضی نہ ہو مثلاً کسی سیمینار کے لئے ہم کسی موضوع کو اپنے اوپر تھوڑی دیر کے لئے طاری کرلیں پھر اس کے بعد جیسے جگالی کی جاتی ہے پڑھ کر ہم اس کو اگل دیں اور نہ ہمیں اس موضوع سے محبت ہو اور نہ وفاداری ہو نہ فکر ہو کہ اس سلسلے میں کیا ہوا ۔ نہ اس میں اضافہ کرنے کا شوق ہو ۔ اس موقع پہ اقبال سے مدد لیتا ہوں انہوں نے اس حقیقت کو خوب بیان کیا ہے کہ ؎

مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا

علم اور تحقیق بھی ایک ہنر ہے اور اس ہنر کو زندگی بھر کا ساتھ دینا چاہئے اس میں مقصدیت پیدا ہونی چاہئے ۔ وہ مثل شرر نہیں کہ بھڑ کا اور بجھ گیا ۔

علوم اسلامیہ کے سوتے ایمانیات سے ملتے ہیں

جہاں تک علوم اسلامیہ کا تعلق ہے آپ بیشک اجتہاد کی ضرورت پہ مقالے پڑھیں ہم سب اس کو تسلیم کرتے ہیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا دروازہ بند ہو جانے کے اسباب کیا تھے اور کہاں تک جائز تھے ۔ لیکن میں ایک بات کہوں گا جہاں تک علوم اسلامیہ کا تعلق ہے ، اس کے کچھ سوتے ایمانیات سے ملتے ہیں ۔ بلکہ ان کا اصل سرچشمہ وہی ہے ۔ اس لئے ہمارا طرز عمل ان کے بارے میں وہ نہ ہونا چاہئے جو ایک غیر مسلم مستشرق (ORIENTALIST) کا ہوتا ہے کہ ہم صرف بحث کریں اور ہمیں نہ اس سے کوئی دلچسپی ہو ۔ نہ اس سے اتفاق ہو ۔ ایک حد تک اتفاق بھی ہونا چاہئے ۔ اور اگر وہ ایمانیت سے تعلق رکھتا ہے تو اس پہ ایمان بھی ہونا چاہئے اور کسی حد تک ہماری عملی زندگی میں اس کی نمود ہونی چاہئے ۔ میں اپنے بچپن میں ایک حکیمانہ مقالہ سنا کرتا تھا کہ "یک من علم را دہ من عقل باید" ایک من علم ہو تو دس من عقل ہونی چاہئے ورنہ آدمی اس کا صحیح استعمال نہ کرسکے گا ، تو میں یہ ترمیم کردوں گا کہ تحقیق کی کسی بڑی سے بڑی مقدار کے ساتھ کسی تناسب سے تقویٰ بھی ہونا چاہئے اس لئے کہ یہ مسئلہ علوم اسلامیہ کا ہے جس کا تعلق ایمانیات سے ہے اگر ہم اس پہ اس طرح عمل جراحی کرتے ہیں جیسا کسی مردہ لاش کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے تو یہ مناسب نہیں ، تنقید میں کسی قسم کی توہین یا تضحیک کی شان نہیں ہونی چاہئے کہ طنزیات و تضحیک کو خالص علمی مزاج سے کوئی مناسبت نہیں آپ کا اپروچ APPROACH خالص علمی (SCIENTIFIC) خالص اکیڈیمک (ACADEMIC) ہو ۔

جو لوگ علم کی ذمہ داریوں اور تحقیقات و نظریات کی تغیر پذیری سے واقف ہیں وہ اپنے کسی علمی نظریئے یا تحقیق کے پیش کرنے میں جزم و وثوق اور قطعیت کے الفاظ استعمال کرنے سے احتراز کرتے ہیں ۔ وہ اپنے کسی نئے خیال کو اس

طرح نہیں پیش کرتے کہ وہ گویا اس موضوع پر حرف آخر اور تمام پچھلی تحقیقات پر خط نسخ پھیر دینے والا ہے وہ کہتے ہیں کہ میرے اس وقت کے مطالعہ اور تحقیق نے اس نتیجہ تک پہنچایا ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ اس میں تبدیلی کرنی پڑے یا کوئی نئی بات ثابت ہو۔ یا مجھے اندیشہ ہے کہ یہ بات اس طرح ہو۔ مجھے بدرالدین طیب جی کا یہ جملہ پسند آیا جو انہوں نے کل ایک نشست کی صدارت کرتے ہوئے ایک مقالہ نگار سے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کا وقت ختم ہو گیا ہو (I AM AFRAID YOUR TIME IS OVER) وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ حضرت آپ کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کو بڑے لطیف انداز سے ادا کیا ہم اس سے سبق لے سکتے ہیں۔ قلم پکڑیں تو آپ کو اول سے آخر تک علم کا احترام اور اس شخص کا احترام بھی ملحوظ رکھنا چاہئیے جس نے اپنا وقت صرف کیا جس نے اپنی آنکھیں خراب کیں جس نے اتنا مواد فراہم کیا۔

عربی زبان کی اہمیت

عربی زبان کی اہمیت بنیادی چیز ہے اگر آپ کو علوم اسلامیہ پر کوئی کام کرنا ہے تو یہ بڑے نقص لیفکشن (DISQUALIFICATION) کی بات ہوگی۔ آپ عربی سے ناآشنا ہوں قرآن، حدیث اور اسلامیات پر لکھنے والے بہت سے مشرقی اور مغربی فضلا سے عربی نہ جاننے کی وجہ سے نادانستہ ایسی غلطی ہو جاتی ہے جو بعض اوقات ان کے پورے علمی کارنامے پر پانی پھیر دیتی ہے۔

مجھے ایک دوست نے بتایا کہ دہلی میں کوئی سیمنار ہو رہا تھا اس میں ایک صاحب جنہوں نے انگریزی میں قرآن مجید کا تذکرہ کیا تھا، تقریر کر رہے تھے تو مشہور عرب ادیبہ اور مورخہ عائشہ بنت الشاطیؒ نے جو اس سیمنار میں شریک تھیں ان سے عربی میں خطاب کیا تو انہوں نے بے تکلفی سے کہا کہ میں عربی نہیں سمجھتا تو عائشہ نے کہا کہ قرآن مجید کا ترجمہ پھر آپ کیسے کرتے ہیں؟ اس کے بعد وطن جا کر انہوں نے مصر کے کثیر الاشاعت اخبار "الاہرام" میں اس پر کئی قسطوں میں مضمون لکھا کہ "میں نے عجائبات عالم میں سے ایک عجیب چیز یہ دیکھی کہ ایک فاضل نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور وہ عربی سے ناواقف تھا۔"

آپ حضرات آسانی کے ساتھ اس پر قابو پا سکتے ہیں اور عربی زبان میں وہ دسترس حاصل کر سکتے ہیں جس سے آپ غلطیوں سے بچ سکیں اس سلسلے میں عربی مدارس آپ سے بھرپور تعاون کریں گے۔

انتشار انگیزی سے احتراز کیجئے

بعض فضلاء اپنے نظریات و تحقیقات کے اظہار میں بہت عجلت سے کام لیتے ہیں ان کی اشاعت ہو جاتی ہے پھر وہ کچھ عرصہ بعد خود ہی ان سے رجوع کر لیتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنا اخلاقی فرض انجام دیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس عرصہ میں ان نظریات و تحقیقات کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں ان کی ذمہ داری کس پر ہے؟ یہ مسئلہ اور

زیادہ سنگین ہوجاتا ہے جب اس کا تعلق ایمانیات اور عقائد سے ہو۔ اس لئے ہمیں اپنی تحقیقات کی اشاعت و تبلیغ کے بارے میں (خاص طور پر جب ان کا تعلق عقائد اور دینیات سے ہو) عجلت اور بے صبری سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ ان کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ ماہرین فن کے سامنے پیش کرنا چاہیئے اور ان کی رائے اور مشورہ کا انتظار کرنا چاہیئے۔ پھر اس کے بعد اس کی اشاعت کی اجازت دینی چاہیئے۔ یہ دور انتشار ہے۔ اس وقت طبیعتیں انتشار انگیزی کے لئے ہر وقت آمادہ ہیں۔ انسان ہمیشہ سہولت پسند اور حیلہ جو واقع ہوا ہے۔ جدید تمدن نے سائنسی ترقی کی رفتار نے اور معیار زندگی کی بلندی نے اس کو زیادہ سہولت پسند اور انتشار پسند بنا دیا ہے۔ اس لئے ہم ایسی بات کہنے سے احتراز کریں جس سے لوگوں میں انتشار پیدا ہو۔

۱۹۶۷ء میں جب عربوں کو اسرائیل کے مقابلے میں شکست فاش ہوئی تو میں نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ اس میں بہت بڑی ذمہ داری ان تشکیک پسند ادبا، اور مصنفین پر ہے۔ جنہوں نے ہماری جدید عرب نسل کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ تمام قدیم اقدار کو انہوں نے متزلزل کر دیا۔

میں شکر گزار ہوں وائس چانسلر صاحب پرو وائس چانسلر صاحب پروفیسر حقی صاحب اور ان سب حضرات کا جو اس سیمنار سے تعلق رکھتے ہیں کہ انہوں نے مجھے عزت بخشی اور بڑے اعتماد کا اظہار کیا۔ میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں نے جو کچھ اس سیمنار میں کہا، مخلصانہ کہا

خدا کرے کہ میں بھی اس سے فائدہ اٹھاؤں اور آپ بھی اپنے جوہر اور کمالات میں اضافہ کریں ۔

کی بنیاد رکھی لیکن وہاں سے تراجم و تصانیف کا سلسلہ چل پڑا لیکن اس کا فیض دارالعلوم دیوبند کے گرد کو بھی نہ پہنچ سکا

بہرحال حضور کو تبلیغ کا حکم دیا گیا اور فرمایا گیا کہ

فی ۔نت علیہم بوکیل انہوں نے اس کی تعمیل جن طریقوں سے کی اس میں ہمارے لئے اسوۂ حسنہ چھوڑا۔

کہ ہمیں تبلیغ کے مؤثر نہ ہونے کی وجہ سے مایوس نہ ہوجانا چاہیئے کہ باس کا مقابلہ کس طرح کر سکیں گے ؟

ایک زمیندار سال بھر کھیتی باڑی کرتا رہتا ہے۔ محنت اور مشقت اٹھاتا ہے۔ ہل چلاتا ہے۔ غلہ بوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو تو فصل اُگ جاتی ہے اور کھیت سر سبز ہو جاتا ہے اور مرضی نہ ہو تو فصل تباہ اور برباد ہو جاتی ہے باغ اجڑ جاتے ہیں محنت ضائع ہو جاتی ہے۔ مگر ایک زمیندار مایوس ہو کر کام نہیں چھوڑتا۔ گھبراتا نہیں اور خدا کے بھروسے سے کام اور محنت کرتا رہتا ہے۔ اسے یہ امید ہے توکل ہے کہ بارش برس جائے گی۔ اور اس کی نظر ظاہری اسباب پر نہیں دین کا کام بھی ہونا چاہیئے گو ہر طرف مایوسی کیوں نہ ہو ۔

اعلیٰ بناوٹ
دلکش وضع
دل فریب رنگ کا
حسین امتزاج
دُنیا کے مشہور

SANFORIZED

REGISTERED TRADE MARK

سنفورائزڈ پارچہ جات
سکڑنے سے محفوظ

۲۰ ایس سے ۸۰ ایس کی سُوت کی
اعلیٰ بناوٹ

گل احمد ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

ستار چیمبرز
۲۹۔ ویسٹ وہارف کراچی

تار کا پتہ :۔ آباد ملز

ٹیلیفون
۲۳۳۹۴ ، ۲۳۸۷۰۵
۲۲۵۵۳۹

سنّی کانفرنس ملتان
یا
"شیعہ کانفرنس"

مولانا محمد اسحاق سندیلوی صدیقی۔ کراچی

ے بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو ایک قطرۂ خون نہ نکلا

سنّت سے دور سنیّت کے دعویداروں کی طرف سے ملتان میں سنّی کانفرنس کے نام سے ایک اجتماع کرنے کا پروپیگنڈا بہت دنوں سے ہو رہا تھا۔ بہت سے لوگ یہ توقع لگائے ہوئے تھے کہ اس کانفرنس میں اہلسنت کی فلاح و بہبود کا کوئی مناسب پروگرام پیش کیا جائیگا۔ قیام پاکستان کی ابتدا سے لیکر اب تک ان کے جو حقوق پامال ہوتے رہے ان کی تلافی اور ان کے منصوبہ حقوق کی بازیابی کے لئے کوئی موثر کوشش کی جائے گی۔ اسلام یعنی دین اہل سنّت کو جو خطرات درپیش ہیں ان سے تحفظ کے لئے کوئی خاکہ تیار کیا جائے گا۔ اور اہل سنت کے درمیان اتحاد و اتفاق اور اخوت و مودّت پیدا کرنے کی مبارک سعی کی جائے گی۔ مگر "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"

کانفرنس منعقد ہوئی، سنیوں کے درمیان افتراق اور فساد پیدا کرنے والی تجویزیں منظور ہوئیں۔ مگر ان سب میں ملّت اہل سنّت والجماعت کا مدعا عنقا ہی رہا۔ نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ مگر صدیق اکبر یا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کا نام بھول کر بھی زبان پر نہ آیا۔ حالانکہ نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا عملی نمونہ تو انہی حضرات کا قائم کردہ نظام تھا۔ مسئلہ تو یہی ہے کہ امت کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کی کیا صورت ہے جبکہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔؟ اس کے لئے آنحضورؐ کے اوّلیں خلفاء اور شاگردوں کا طرز عمل سامنے رکھنا اور اسکی پیروی کرنا ناگزیر ہے۔ بطور مثال عرض ہے کہ ایک ماہر یگانۂ روزگار مصوّر کچھ تصویریں تیار کرتا ہے۔ جو اپنی خوبی میں بے نظیر اور اس کے کمال کا نمونہ ہیں اس کے ساتھ کچھ اصول مصوّری بھی بتاتا ہے۔ اس کے بعد دنیا سے اٹھ جاتا ہے۔ یقینی بات یہ کہ اس کے بعد جو شخص تصویرکشی میں اسکی تعلیم پر عمل کرکے کمال حاصل کرنا چاہے اس کے لئے اسکی بنائی ہوئی تصویریں سامنے رکھنا لازم ہے۔ ان تصویروں کو دیکھے بغیر

نہ اس کے کمال کا کوئی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ اسکی تعلیم کی پیروی ہو سکتی ہے۔ اس مثال سے عیاں ہے کہ صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نمونہ سامنے رکھے بغیر نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنا بھی غیر ممکن ہے۔ چہ جائیکہ اس پر عمل کرنا۔ اہل سنّت والجماعت کا مطلب ہی یہی ہے کہ یہ وہ جماعت ہے جو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر جماعت صحابہؓ کی تشریح و تعمیل کے مطابق کرتی ہے۔ مگر اس کانفرنس میں جس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ "سنّی" کا لقب تیرھویں صدی کے ایک نوزائیدہ گروہ کے لئے "پیٹنٹ" کرائے۔ خلفاء راشدین اور ان کے نظام حکومت و خلافت کا نام لینے سے ہی گریز کیا گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ "سنیت" کی یہ کونسی قسم ہے جو جماعت صحابہؓ سے بے نیاز ہو کر بھی "سنیت" ہی رہتی ہے۔؟ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ شیعہ تو ڈنکے کی چوٹ یہ کہیں کہ ہم خلفاء راشدینؓ کا نظام خلافت قبول کرنے کو تیار نہیں، بلکہ ہمیں ان کا تذکرہ بھی گوارا نہیں اور سنّی کانفرنس جو بڑے طمطراق کے ساتھ منعقد کی گئی تھی، یہ کہنے کی جرأت نہ کرے کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کا طرزِ حکومت و خلافت نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تفسیر ہے۔ اور ہم اسی کو قائم کرنا چاہتے ہیں، شیعوں کی اس دلداری و فرمانبرداری کی آخر کوئی وجہ تو ہے۔؟

مجرمانہ سکوت بے محل اور اغماض بے جا سے شیعوں کی تائید کرنے کے ساتھ حقوق اہل سنّت کو بھی بھلا دینے کی کوشش کی گئی۔ کانفرنس کے لیڈروں اور خطباء نے اوقاف کے ان سنّی منتظین کو ہٹانے کا مطالبہ تو کیا جو قبر پرستی کو شرک اور بت پرستی کے مترادف سمجھتے ہیں، تاکہ اوقاف کی آمدنی پر ہاتھ صاف کرنے میں سہولت ہو۔ مگر سنّی اوقاف پر سے شیعوں کا قبضہ ہٹانے کے لئے ایک لفظ بھی نہ کہا گیا۔ اس بدیہی اور خطرناک حقیقت کو بھی دیدہ و دانستہ نظر انداز کیا گیا کہ حکومت میں اس وقت پانچ شیعہ وزیر ہیں۔ اور اہم ترین محکمے انہی کے ہاتھ میں ہیں۔ ملازمتوں میں بھی کلیدی عہدوں پر بتعداد کثیر شیعہ ہی قابض ہیں۔ حالانکہ شیعوں کی تعداد پاکستان میں بمشکل دو فیصد ہے۔ اہلسنت کی اس حق تلفی اور حکومت کی اس غیر منصفانہ اور خطرناک شیعہ نوازی کے متعلق سکوت کی کیا وجہ ہے۔؟ سنّیت کی اجارہ داری کے یہ دعویدار اس سوال کا جواب دیں۔ اور ان سیدھے سادھے عوام اہل سنّت کو جنہیں ان قائدین اور علماء نے غلط فہمی میں مبتلا کر کے جمع کر لیا تھا، ان داعیوں سے اس سوال کا جواب طلب کرنا چاہئے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ مدعیان "سنیت" قیامت تک اس کا جواب نہیں دے سکتے۔ اس لئے کہ درحقیقت سنّی کانفرنس کے نام سے ملتان میں جو ڈرامہ کھیلا گیا اس کے ہدایت کار شیعہ ہی تھے۔ اور یہ کانفرنس دراصل شیعہ کانفرنس بصورت سنّی کانفرنس تھی۔ شرکاء نے تو بچشم خود دیکھا کہ شیعوں کے ممتاز افراد اس کے انعقاد و انتظام میں نمایاں حصہ لے رہے تھے اور اس کے اجلاس میں باقاعدہ شریک ہوتے رہے۔ انکی دلچسپی کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کی تعلیم کی بناء پر اہل سنّت کو نقصان اور تکلیف پہنچانا کار ثواب سمجھتے ہیں اور اس سے انہیں بے پایاں مسرت حاصل ہوتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ قیام پاکستان کی ابتداء سے شیعہ اسے شیعہ سلطنت بنانے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔

ہیں اور اس کے لئے برابر کوشاں ہیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے بیرونی ملکوں اور یہود کے ساتھ سازشیں کیں، اور انہی سازشوں کے ذریعہ مشرقی پاکستان کو الگ کردایا اہل سنت کی خونریزی کرا کے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا۔

بھٹو کا دور شیعی دور تھا۔ اور شیعوں کے خواب مذکور کی تعبیر کامل طور پر ظاہر ہونے والی تھی۔ کہ اس کا تختہ الٹ دیا گیا۔ اور اہل سنت میں شیعیت کے خلاف کچھ بیداری کے آثار نظر آئے۔ یہ دیکھ کر شیعوں نے اپنے زرخرید سنی نما پیروں اور لیڈروں کو آواز دی اور انہیں اہل سنت کے درمیان افتراق پیدا کرنے۔ اور سنیوں کی توجہ اپنی طرف سے ہٹانے کے لئے تخریبی تدبیروں میں لگا دیا۔ "سنی کانفرنس ملتان" اور اس قسم کے دوسرے اقدامات جو شیعوں کے آلۂ کار ان "سنی" رہنماؤں کیطرف سے ہو رہے ہیں۔ اسی سازش اور اسی مقصد کے ماتحت ہو رہے ہیں۔

سنی بھائیوں سے التجا ہے کہ وہ سمجھ سے کام لیں اس سبائی جال میں پھنسنے سے بچیں اور حالات پر غور کر کے صحیح قدم اٹھائیں۔

بقیہ مولانا عبدالہادیؒ دین پوری

دین پور شریف جسم کی تو یہ پہلی حاضری تھی مگر دل تو وہاں بار بار گیا پھر ایک دن ایسا آیا کہ اخبار پڑھتے ہوئے اچانک ایک خبر سے ایک جھٹکے کا احساس ہوا۔ یہ خبر وہی تھی جسے میں پڑھنا اور سننا نہ چاہتا تھا مگر مشیت ہماری چاہت کی پابند تو نہیں ہو سکتی۔ اللہ والے اپنی چاہت کو مشیت کا پابند بنا لیتے ہیں اور پھر ساری عمر تشکر کے احساس سے بھیگے رہتے ہیں۔ مگر میں تو گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں میرا یہ حال کیسے ہو مجھے تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بیدمؔ وارثی کا یہ شعر میرے دل کو چیر کر نکل گیا ہو ؎

وہ اٹھے جھٹک کے دامن مرے دست ناتواں سے
اسی دن کا آسرا تھا مجھے مرگ ناگہاں سے

اب ان کی باتیں بھی ان کے ساتھ جا چکی ہیں ہم تو ان کے ذکر کے ساتھ اپنے لخت لخت دل کو بہلاتے رہتے ہیں ان کی باتیں ان کی محبتیں ان کے ساتھ رخصت ہو گئیں ہم تو اپنی لگن کے ساتھ ان کی باتیں کر رہے ہیں اور کر بھی کیا سکتے ہیں ایک حقیر انسان کے بس میں کیا ہے ؎

ہم بات کر رہے ہیں تو اپنی لگن کے ساتھ
وہ بات کوہکن کی گئی کوہکن کے ساتھ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

شفیق مرزا صاحب

قادیانی اُمت کی ارتدادی وتخریبی سرگرمیاں

جداگانہ انتخابات کے اعلان کے بعد!

جس شخص کو قادیانی امت کی مکروہ تاریخ سے ذراسی بھی واقفیت ہے اسے اس بات کو علی الاعلان کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ یہ جماعت ابتداء ہی سے مسلمان دشمن اور اسلام دشمن ہے۔ برطانوی دور میں مرزا غلام احمد متبنی اعظم سے لے کر اس امت کے معمولی فرد تک ہر ایک نے اپنی بساط کے مطابق مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔ سیاسی و معاشی نقصان تو خیر کسی حد تک نظر انداز بھی کیا جا سکتا ہے مگر دینی طور پر اس خود کاشتہ پودا نے جو زہر مسلم معاشرہ میں پھیلایا ہے اس کے اثرات اس قدر ہولناک ہیں کہ ان کے تصور سے بھی روح کپکپا اٹھتی ہے : تاجدار ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے نکال کر مسلمانوں کو ارتداد کی آغوش میں لانا اور مرزا غلام احمد اور اس کی ذریت کی غلامی کا جوا ان کی گردنوں میں ڈالنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس سے بڑا کوئی جرم نہیں۔ قیام پاکستان کے وقت اس امت نے ایک اسلامی ریاست کے قیام کی بھرپور مخالفت کی اور جب ان کی مذموم کوششوں کے باوجود پاکستان وجود میں آگیا تو ملکہ وکٹوریہ کے یہ ثناخواں "مسلمانوں" کے بہروپ میں پاکستان آگئے۔ اور انہوں نے اپنا سرمایہ اور افرادی قوت کی تمام طاقتیں اس ملک کو ختم کرنے میں صرف کردیں اور اب تک ان کا یہ دھندہ چل رہا ہے۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے بعد آئینی ترمیم ہوئی تو خیال تھا کہ ارتداد کی یہ رو رک جائے گی۔ مگر اس دور کے وزیراعظم نے اپنے مفادات کی خاطر آئینی ترمیم کے مطابق قانون سازی سے مسلسل گریز کیا۔ اور قادیانی امت کے مرکز ربوہ (اتل ابیب) کھلا قرار دینے کے باوجود کوئی عملی اقدام نہ کیا۔ آج قادیانی امت نے جداگانہ انتخابات کے اعلان کے بعد اپنی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیا اور انہوں نے اپنی کوششوں کو دو نکات پر مرکوز کر دیا ہے۔

۱۔ اس ملک میں ارتدادی سرگرمیاں اتنی تیز کر دی جائیں کہ اس کی غالب آبادی کو مرتد کر کے اسے ایک قادیانی ریاست میں تبدیل کر دیا جائے۔

۲۔ قادیانی اخبارات ورسائل کے ذریعے نیز اسلامی پریس میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ملک میں اس قدر فکری انتشار پیدا کر دیا جائے کہ بالآخر یہ ملک ہی (خدانخواستہ) نہ رہے۔ ربوہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ "انصار اللہ"

بابت ماہ نومبر ۸۷ء میں ان سرگرمیوں کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

کراچی : "متعدد غیر از جماعت احباب کو مرکز سلسلہ میں لایا گیا۔ ۲۰۰ نو مبائعین سے خصوصی رابطہ رکھا گیا۔

بہاولپور : "بعض ذی اثر سرکردہ احباب غیر از جماعت لٹریچر پڑھتے رہے ۴۴ افراد نے بیعت کی ۶۲ کے قریب ایسے احباب ہیں جنہوں نے باقاعدہ لٹریچر پڑھنے کی خواہش کی۔ ۸۰۰۰ غیر از جماعت احباب سے ملاقات کر کے انہیں اصلاح و ارشاد کا پیغام پہنچایا۔ ۵۰۰ کے قریب غیر از جماعت رشتہ داروں کو جماعتی عقائد سے روشناس کرایا ۹۴۷۱ پمفلٹ نیز رسالہ جات سلسلہ و خطبہ نمبر الفضل تقسیم کئے"۔

فیصل آباد : "تین افراد نے بیعت کی ۱۰۰ افراد وفود کی صورت میں مرکز سلسلہ آئے (ص ۶ م ۸۷/۴)

اسلامی اخبارات اور رسائل میں گھسے ہوئے قادیانیوں کی "کارکردگی" کا ذکر کروں تو بات لمبی ہو جائے گی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

کچھ عرصہ سے ماہنامہ "سیارہ ڈائجسٹ" لاہور میں ایک قادیانی عبدالکریم خالد نامی گھس آیا ہے۔ اور اپنے مخصوص سازشی طریق کار کے ذریعہ اس نے وہاں ایڈیٹری سنبھال لی ہے۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ وہاں مرزائیت کا ایک اڈہ بنایا اس وقت مختلف ناموں سے قادیانی "ادیبوں" کی تحریرات شائع ہو رہی ہیں گویا انہیں "ادیب" بنایا جا رہا ہے۔
اگست ۸۷ء کے شمارہ میں ڈپٹی نذیر احمد سے متعلق ایک مضمون شائع کرایا گیا اور اس میں انہیں دو قومی نظریہ کا خالق قرار دے کر فکری انتشار کا بیج بویا گیا اور کم از کم پندرہ مرتبہ علمائے دین کو "ملا" لکھ کر ان کی تضحیک کی گئی۔
ستمبر کے شمارہ میں پورا اداریہ قومی اتحاد اور حکومت کے خلاف لکھا گیا اور اس میں بین السطور اسلامی تعلیم کا مذاق اڑایا گیا۔ نیز تاج محمد جمالی کا ایک ایسا انٹرویو شائع کیا جس سے صوبائیت کو ہوا ملتی ہے۔

ہم حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ قادیانی امت کی ان ارتدادی اور فسادی سرگرمیوں کا انسداد کرنے کے لئے مثبت قدم اٹھائے۔ آئینی ترمیم کے مطابق قانون سازی کی جائے۔ ربوہ کی ختم کر کے وہاں مسلمانوں کو آباد کیا جائے۔ کیا وجہ ہے کہ مرزائی تو مسلمان آبادیوں میں جگہ لیں مگر مسلمان اس ریاست میں کوئی جگہ نہ لے سکیں۔
دوسرا سب سے اہم امر یہ ہے کہ ربوہ کو چنیوٹ کی حدود میں شامل کیا جائے۔ وہاں ایک بڑا تھانہ قائم کیا جائے۔ اور ربوہ کا نام تبدیل کر دیا جائے۔ اور قادیانی امت کی تبلیغی سرگرمیوں پر مکمل قدغن عائد کر کے ان کی تمام عسکری و نیم عسکری تنظیموں کو کر دیا جائے۔ نیز وہاں کارخانے لگا کر وہاں مسلمانوں کو ملازمتیں مہیا کی جائیں تاکہ قادیانیوں کی گرفت ختم ہو اور مضافات ربوہ کے مسلمان سکون کی زندگی بسر کر سکیں۔ جو قادیانی یلغار کا پہلا ہدف بنی ہوئی ہیں۔

جناب ابو سلمان شاہجہان پوری

دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن کی مناسبت سے

یادگارِ عظمتِ اسلاف

دارالعلوم دیوبند کا نام زبان پہ آتا ہے تو تصوّر صرف ایک دینی مدرسے کے دائرے میں محدود نہیں رہتا۔ دارالعلوم معقول و منقول کی رسمی و روایتی درس گاہ نہیں بلکہ وہ بہت سے تعلیمی، ثقافتی، علمی، سیاسی اداروں اور تحریکوں کا جامع ہے۔ یہ ہندوستان کی سرزمین میں وہ شجرِ طیبہ ہے جسکی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں چھپی ہوتی ہیں، اسکی شاخیں فضا میں دور دور تک پھیلی ہوتی ہیں، اس کے سائے میں راستہ چلنے والے سکون و طمانیت حاصل کرتے ہیں اور اس کے شیریں پھلوں سے اپنے کام و دہن کو لذّت بخشتے ہیں اور اس کے ظاہری مناظر اور اسکی شگفتگی و شادابی دیکھنے والوں کو سرور بخشتی ہے۔ نادان اس کے سائے میں آرام کرتے ہیں، اس کے پھلوں سے لذّت حاصل کرتے ہیں، پھر اسکی شاخوں کو توڑتے ہیں، پتوں کو برباد کرتے ہیں۔ اسکی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے تنے پہ کلہاڑیاں چلاتے ہیں، اس کی شگفتگی اور تر و تازگی کو برباد کر دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، لیکن اسکی فیض رسانی اللہ کے حکم سے تھی جو کبھی بند نہ ہوئی اور اس کا قیام و وجود مشیتِ ایزدی اور منشائے خداوندی کے مطابق تھا۔ اس لیے اس پہ کبھی حرف نہ آیا۔ اسکی زندگی کے خمیر میں صبر و قناعت شامل تھی اس لیے اس نے نہ کبھی غیروں کی شکایت سے زبان کو آلودہ کیا نہ اپنوں سے ان کی سربلندی میں اپنے حصّے کا صلا مانگا۔ گذشتہ ایک سو سال سے زیادہ مدّت سے برِّصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی تاریخ میں وہ اپنا سر اونچا کئے ارجمندی اور عظمتِ اسلاف کی علامت کے طور پہ کھڑا ہے۔ اس مدّت میں افکار و حوادث کے کتنے ہی طوفان اس کے سر و شانے سے ٹکرائے اور اس کے جیب و گریبان سے کھیل کر گزر گئے۔ نادان سمجھتے تھے کہ عظمتِ اسلاف کی یہ یادگار ان حوادث میں اپنا وجود قائم نہ رکھ سکے گی لیکن طوفان اور حوادث کے ہر تھپیڑے کے بعد اسکی شخصیّت نکھرتی اور وجود سربلند ہوتا رہا۔ ۱۹۴۷ء کے حادثات کے بعد بھی اگر ایشیا میں ہندوستان کی سرزمین میں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت اور ملی و ملکی خدمات کا کوئی سب سے گہرا نمایاں اور روشن نقش نظر آتا ہے تو وہ صرف دارالعلوم دیوبند ہے۔ دارالعلوم تاریخ کا ایک جلی عنوان اور روشن باب ہی نہیں بلکہ برّصغیر کے مسلمانوں

کی ایک جامع و مکمل دینی، تعلیمی، تہذیبی، سیاسی، ملی، تاریخ کا نام ہے۔ اگر دار العلوم دیوبند کی تاریخ کو نظر انداز کر دیا جائے تو برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ ثقافت وسیاست کا تمام قابل فخر سرمایہ نظروں سے چھپ جاتا ہے اور دینی خدمات نہ ہونے کے برابر اور ملک کی آزادی ملت اسلامیہ کی سربلندی، اسلامی علوم وفنون اور ثقافت کے تحفظ کی جد وجہد اور عزیمت دعوت کی تاریخ میں سر سید کی گداگری، مرزا غلام احمد کی منت گذاریوں اور جاگیرداروں کی ملت فروشیوں اور غداریوں کے سوا کچھ بھی نہیں رہ جاتا۔

دار العلوم دیوبند ایک سرچشمہ تھا جسکی فیض رسانیوں اور نفع بخشیوں نے ملت کے نخل امید کو سرسبز وشاداب کر دیا۔ اور زندگی کے ہر گوشے میں علم وعمل کے ہر میدان میں ملت اسلامیہ کے دماغوں کو افکار حقہ اور دلوں کو امنگوں اور ولولوں سے معمور کر دیا۔ اس نے مسلمانوں کے سامنے زندگی کے ہر گوشے میں راہ عمل کھولی اور اپنے اخلاق اور سیرت کی روشنی سے راہوں کو منور کر دیا مسلمان چاہیں تو وہ نئے حالات میں یمین ویسار کے تذبذب کے بغیر پورے اعتماد کے ساتھ زندگی کا سفر طے کر سکتے ہیں۔ اور منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں

مقصد قیام دار العلوم دیوبند کی خدمات کے متعدد پہلو ہیں اور ہر پہلو روشن اور تابناک۔ اس نے علوم دینیہ کی تعلیم واشاعت میں جو کارنامہ انجام دیا اس کا اندازہ صرف اس امر سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ ہندوستان پاکستان اور اب اس میں بنگلہ دیش کا نام بھی شامل کر لیجئے کا کوئی دور دراز گوشہ ایسا نہیں ہو سکتا جہاں مسلمان ہوں اور عقائد واخلاق وسیرت اسلامی میں دیوبند کے اکابر اور فیض یافتگان کے دست تعلیم وتربیت کا اثر موجود نہ ہو۔ دنیا کی نظروں میں دار العلوم دیوبند کے قیام کا خاص مقصد علوم دینیہ کی اشاعت وتعلیم تھا۔ اور اگر صرف یہی مقصد تھا، تب بھی مسلمانوں کی علمی وعملی زندگی کا کون سا گوشہ ذہنی وفکری تربیت کا کون سا اصول، اسلامی تہذیب و ثقافت کے تحفظ کا کون سا کام، اخلاق وسیرت کی تعمیر کی کون سی ضرورت، دین ودنیا کی بھلائی کا کون سا میدان اور فلاح فرد وملت کے نصب العین کا کون سا پہلو تھا جو اس میں نہیں آ گیا۔

اور اگر کسی کو اصرار ہو کہ اسکی خدمات کے ہر پہلو پہ وقت کے اصول تالیف وتصنیف کے مطابق الگ الگ بحث کی جائے تو اس صحبت میں بھی گنجائش وفرصت کے مطابق اسکی خصوصیات کے مختلف پہلوؤں کی طرف ضروری اشارات ضرور کئے جا سکتے ہیں۔

مدارس کے قیام کی ہمہ گیر تحریک دار العلوم دیوبند ملت کے چند بہی خواہوں نے جن مقاصد کے لئے قائم کیا تھا وہ مقاصد سہارنپور کے ایک گمنام قریے میں صرف ایک مدرسہ قائم کر دینے سے پورے نہیں ہو سکتے تھے، ضرورت تھی کہ اس جذبے کو عام کیا جائے اور مدارس دینی کا ایک جال پورے ملک میں پھیلا دیا جائے چنانچہ بانیان دیوبند نے ایک ایسا دینی تعلیمی جذبہ پیدا کیا کہ اسی زمانے میں ملک کے طول وعرض میں کئی مدرسے قائم ہوئے۔

۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ء) میں "مدرسہ قاسمیہ مرادآباد" کا قیام عمل میں آیا جو اب عام طور پر "مدرسہ شاہی مسجد" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی بنیاد حضرت قاسم العلوم حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی۔ اس کے چند سال بعد حضرت قاسم العلوم ہی کے ایما و تحریک پر "جامعہ اسلامیہ عربیہ" کے نام سے امروہہ میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا۔ نگینہ (یوپی) میں ۱۲۹۲ھ سے ایک مکتب قائم تھا۔ حضرت حجۃ الاسلام کے مشورے سے اسے ترقی دے کر علوم اسلامی کی ایک قابل فخر درس گاہ بنا دیا گیا اور حضرت ہی کے نام پر اس کا نام "مدرسہ قاسمیہ عربیہ" رکھا گیا۔ "مظاہر العلوم سہارن پور" کا قیام ۱۸۹۶ء میں عمل میں آیا۔ اس کے آغاز و بنا میں بھی بانیان دیوبند کے احباب و خلف کا حصہ تھا اور دارالعلوم دیوبند ہی کے مقاصد تعلیم و تربیت کے لئے اس کا وجود عمل میں آیا تھا۔ بانیان دارالعلوم دیوبند کے احباب اور شاہ محمد اسحاق اور حضرت مولانا عبدالحی و شاہ اسماعیل شہید رحم اللہ کے تلامذہ میں سے مولانا سماوت علی جون پوری نے جون پور میں گذشتہ صدی کے اواخر میں مدرسہ قرآنیہ قائم کیا۔

مدارس کے قیام کا یہ سلسلہ دارالعلوم دیوبند کے آغاز ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ اور ملک کے طول و عرض میں متعدد مدارس قائم ہو چکے تھے۔ لیکن یہ چمن بندی کا آغاز تھا۔ فصل گل کا موسم ابھی دور تھا۔ اس موسم کا آغاز حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ علیہ الرحمۃ کے عہد سعادت سے ہوتا ہے۔ آپ کے زمانے میں اور آپ کے تلامذہ کی کوششوں سے برصغیر پاک و ہند کا چپہ چپہ علوم دینی کی ضیا پاشیوں سے جگمگا اٹھا اور ملی تحریکات اور ملک کی آزادی کی جدوجہد میں ایک نئی روح دوڑ گئی۔ آپ کی مساعی مشکورہ سے ملت کے مضمحل و منتشر قوی میں ایک نئی قوت اور اعضاء و جوارح میں ایک نظم پیدا ہو گیا اور دارالعلوم کا فیضان عام ہو گیا۔

۱۸۹۵ء میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ و مجاہد ملت حافظ محمد صالح مولانا فضل احمد، منشی رحمت اللہ ور دیگر حضرات نے "مدرسہ رشیدیہ" کے نام سے رائے پور ضلع جالندھر میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ ۱۹۰۷ء میں "مدرسہ نعمانیہ" کے نام سے امرتسر میں اسی سلسلے کے وابستگان نے ایک دینی درس گاہ قائم کی۔

دہلی کی مشہور دینی درس گاہ "مدرسہ امینیہ" حضرت شیخ الہند کے شاگرد رشید مولانا امین الدین نے قائم کی۔ اور دوسرے نامور شاگرد حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ شاہجہان پوری ثم دہلوی کے اخلاص و ایثار نے اسے ایشیا کی چند مشہور دینی جامعات کی صف میں شامل کر دیا۔ سندھ میں حضرت شیخ الہندؒ کے نامور شاگرد مولانا عبید اللہ سندھی نے بمقام گوٹھ پیر جھنڈا (ضلع حیدرآباد) "دارالرشاد" کے نام سے ۱۹۰۱ء میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ پھر ۱۹۱۲ء میں اسی نام سے نواب شاہ (سندھ) میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس سے پہلے ۱۸۸۴ء میں مولوی عبد اللہ مرحوم نے ایک مدرسہ کراچی کے محلہ کھڈہ میں قائم کیا تھا۔ مرحوم کے فرزند ارجمند مولانا محمد صادق حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ کے ارشد تلامذہ میں سے ایک تھے، جنہوں نے سندھ میں علوم اسلامی کی ترویج و

اشاعت تبلیغ اسلام رد بدعات و محدثات اور تحریکِ آزادی میں نمایاں خدمات انجام دیں ۔ مولانا محمد صادق کی مساعی حسنہ کا مرکز ان کے والد کا قائم کردہ مدرسہ تھا جو تاریخ میں "مدرسہ مظہر العلوم" کے نام سے مشہور ہے ۔

لاہور میں حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد رشید مولانا احمد علی لاہوری نے جو علوم قرآنی میں اپنے تبحر کی بناء پر شیخ التفسیر کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں ۔ ۱۹۲۴ء میں "مدرسہ قاسم العلوم" کے نام سے علوم دینی کی ایک درس گاہ کا آغاز کیا ۔ ۱۳۵۰ھ (۱۹۳۲ء) میں ڈھابیل (سورت) میں "جامعہ اسلامیہ" کے نام سے مولانا انور شاہ کاشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی کوششوں سے ایک اسلامی یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا جس نے بہت تھوڑی مدت میں دینی و تعلیمی حلقوں میں اعتماد پیدا کر لیا ۔ حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ کی صف میں ہر دو حضرات کسی تعارف کے محتاج نہیں ۔

۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) میں سرائے میر ضلع اعظم گڑھ میں چند مخلصین ملت نے جو اس سے پہلے "انجمن اصلاح" قائم کر چکے تھے ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس کا سنگِ بنیاد حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد مولانا سید میاں اصغر حسین دیوبندیؒ کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا ۔ ۱۹۲۴ء میں گجرات کے ضلع کھیڑ میں آنند کے مقام پر حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ علیہ الرحمہ کے ہاتھوں "جامعہ عربیہ تعلیم الاسلام" کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد پڑی جس نے گجرات کے علاقے میں علوم دینی کی اشاعت اور تبلیغ اسلام میں نمایاں کردار ادا کیا ۔ ۱۹۱۱ء میں حضرت شیخ الہندؒ کے مشورے سے مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے دہلی میں "مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ" کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا ۔ اگرچہ یہ ایک چھوٹا سا مدرسہ تھا جس میں دو تین استاد درسِ قرآن و حدیث کی خدمت میں مصروف تھے اور ایک خاص جماعت جو دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ کالج کے فارغین پر مشتمل تھی ، مولانا سندھی مرحوم کے زیر تعلیم و تربیت تھی ۔ لیکن انگریزی حکومت اس چھوٹے سے ادارے سے جس طرح لرزہ بر اندام تھی ۔ اس کا کچھ اندازہ تحریک شیخ الہندؒ کے مطالعہ سے ہوتا ہے ۔ ۱۳۵۰ھ (۱۹۳۲ء) میں مدرسہ دینیہ اسلامیہ غازی پور ملت کے چند بہی خواہوں اور علوم اسلامی کی ترویج کے شائقین کے ہاتھوں قائم ہوا ، لیکن اس کا نظامِ تعلیم و تدریس دارالعلوم سے مستعار اور زمامِ تعلیم و تدریس شروع سے اب تک فاضلینِ دیوبند کے ہاتھوں میں رہی ہے ۔ غازی پور کا مشہور اور تاریخی مدرسہ "چشمۂ رحمت" ۱۸۶۹ء میں قائم ہوا ۔ اگرچہ اس کے بانیوں کا پہلا تعلق علمائے فرنگی محل سے تھا ، لیکن آغاز کے بعد مدرسہ ہر دور میں فرزندانِ دارالعلوم دیوبند کی مساعی اور خدمات کا منت گزار رہا ہے ۔ جون پور کے قصبہ صبر حد کی مثالی درس گاہ "مدرسۂ فاروقیہ" کی تعلیمی و اصلاحی روح وہی ہے جو دارالعلوم دیوبند کے نظامِ تعلیم و تربیت میں رواں ہے ۔

پٹنہ کے مشہور و معروف "مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ" کا قیام ۱۹۱۲ء اور اسکی ترقی دارالعلوم دیوبند کے چشمۂ علم و عرفان سے سیراب ہونے والوں کی رہینِ منت ہے ۔ اس سلسلے میں "جامعہ ملیہ نواکھالی" کا ذکر بھی ضروری ہے ۔ اسے دارالعلوم دیوبند کی ایک شاخ سمجھنا چاہیئے ۔ یہ اگرچہ ایک مستقل بالذات ادارہ ہے لیکن اس کے امتحانات اور کارگزاری

کی نگرانی دارالعلوم کی طرف سے ہوتی ہے۔

یہ عہدِ سعادت تو حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے تلامذہ کا دور تھا۔ یہ تحریک اس دور کے بعد ختم نہیں ہوگئی بلکہ گزشتہ ۲۵، ۳۰ سال کے عرصے میں پاکستان کے مختلف شہروں میں چند ایسے دینی مدارس کا قیام عمل میں آیا ہے جن کے ذکر کے بغیر یہ مضمون مکمل نہیں ہوسکتا۔ ان مدارس میں جامعہ اشرفیہ لاہور (۱۹۴۷ء) جامعہ رشیدیہ ساہی وال (۱۹۴۷ء) دارالعلوم خیر المدارس ملتان (۱۹۴۷ء) دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (۱۹۴۷ء) دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہیار (حیدرآباد) (۱۹۴۹ء) دارالعلوم کراچی (۱۹۵۰ء) جامعہ اشرفیہ پشاور (۱۹۵۳ء) جامعہ مدنیہ لاہور (۱۹۵۵ء)، مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی (۱۹۵۵ء) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ لیکن اس سلسلۃ الذہب کی یہ آخری کڑیاں نہیں ہیں۔ ان مدارس کے بعد بھی بے شمار مدارس پاکستان کے طول و عرض اور ہندوستان اور بنگلہ دیش کے دور و نزدیک کے علاقوں میں قائم ہوئے ہیں۔

یہ تمام ادارے برِصغیر میں علومِ اسلامی کی تعلیم و تدریس، اسلامی شعائر اور تہذیب و ثقافت کے تحفظ، ملک کی آزادی کی جدوجہد اور ملّی تحریکات اور اسلامی علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ یہ تمام مدارس اپنا اپنا جداگانہ اور مستقل نظام اور حلقہ اثر رکھتے تھے لیکن ہندوستان و پاکستان میں اسلامی تعلیم و تربیت کے نظام تعلق میں دارالعلوم دیوبند اور ان اداروں کا تعلق وہی تھا جو نظامِ فلکی میں سورج اور دوسرے سیاروں کا ہوتا ہے۔

ان سطروں سے دارالعلوم کے دائرۂ فیضان کا جو تصوّر ذہن میں قائم ہوتا ہے وہ حقیقت کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ بات یہ ہے کہ ابھی تک اس موضوع پر کوئی کام ہی نہیں کیا گیا۔ اور کوئی سنجیدہ کوشش ایسی نہیں کی گئی ہے جس سے دارالعلوم دیوبند کے افادہ و فیضان کا واقعی اندازہ ہوسکے۔

یہ تو دارالعلوم دیوبند کے سلسلے کے چند خاص مدرسے تھے۔ لیکن اگر صوبہ یا علاقہ وار جائزہ لیا جائے تو صرف ایک مضمون اس مواد کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے ایک کتاب کی ضرورت ہوگی۔ ہندوستان پاکستان کا کونسا گوشہ ایسا ہے جہاں دارالعلوم دیوبند کے سلسلے کا چھوٹا یا بڑا مدرسہ قائم نہیں ہے۔ ہندوستان میں اہم مدارس کی ایک مختصر سی فہرست غلام رسول نے مرتب کی ہے، دوسری فہرست جو بہار و اڑیسہ کے اہم مدارس کی ہے ۔۔ پروفیسر عبدالمنان کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ گجرات کے باکمال اور برگزیدہ علمائے کرام کی دینی خدمات کا ایک مختصر جائزہ حضرت مفتیٔ اعظم محمد کفایت اللہ نے لیا ہے۔ اس طرح مالابار میں دینی تعلیم کی مرکزی درس گاہوں کے بارے میں محمد اسلم نے معلومات فراہم کی ہیں۔ (ان مضامین کے لئے دیکھئے البلاغ بمبئی تعلیمی نمبر) مغربی پاکستان کے عربی مدارس کا ایک مفصل جائزہ حافظ نذر احمد نے مرتب کیا۔ علم و آگہی کراچی کے دو ضخیم نمبروں (برِصغیر پاک و ہند کے

علمی و ادبی اور تعلیمی ادارے جلد اوّل دوم) میں دیوبندی مکتبہ فکر کے بہت سے تعلیمی اور علمی ادبی اداروں اور انجمنوں کے حالات سمیٹ لئے گئے ہیں اس سلسلے میں برگ گل کراچی کا تعلیمی پالیسی نمبر بھی قابل توجہ ہے۔ ان کتب و رسائل میں مدارس کی تاریخ اور اس کے بانیوں کے حالات کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی فیض رسانیوں اور اس کے اکابر و اصاغر کی نفع بخشیوں کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے اثرات قدیم وجدید کی تفریق ہندوستان پاکستان میں مسلمانوں کی ملی زندگی کا ایک اہم مسئلہ رہا ہے۔ دیوبند کو قدامت کا پرستار اور علی گڑھ کو جدت کا دالہ و شیدا بنایا گیا ہے۔ اس خلیج کو پاٹنے کی مختلف دردمندان قوم نے کوشش کی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ الزام جدت کے پرستاروں کی طرف سے اور قدیم و جدید کے مابین خلیج کو پاٹنے کی تمام تر کوششیں قدامت پرستوں کیطرف سے عمل میں آئی ہیں۔ ندوۃ العلماء اس کی مثال ہے جس کے معرکوں اور بانیوں میں دیوبند کے سلسلے کے بزرگ واکابر نمایاں ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے دیوبند اور علی گڑھ کے مابین خلیج کو پاٹنے کی نہایت مخلصانہ کوششیں کیں۔ علی گڑھ کے فارغ التحصیل طلبہ کے لئے خصوصی نصاب کا بندوبست کیا، دارالعلوم دیوبند کے فارغین کی علی گڑھ جانے اور جدید علوم سیکھنے میں ان کی ہمت افزائی کی۔ مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی قائم ہوا تو اس کے سرپرستوں میں حکیم اجمل خان مرحوم کے ساتھ نواب وقار الملک کو برابر کا شریک بنایا۔ اپنی زندگی کے آخری دور میں بیماری کی انتہائی شدت کے باوجود علی گڑھ کا سفر کیا اپنے وصال سے چند دن قبل جامعہ ملیہ دہلی کا سنگ بنیاد رکھا اور زندگی کے آخری لمحوں تک وہ اس کوشش میں مصروف رہے کہ علی گڑھ کے قلب کی سیاہی ایمان کی روشنی میں بدل جائے لیکن ان مخلصانہ مساعی کے صلے اور جواب میں علی گڑھ کے فرزندوں نے حضرت شیخ الہندؒ، آپ کے ساتھیوں، شاگردوں، جان نثاروں، مولانا سندھی وغیرہ کی جاسوسی کی ان کے لئے مشکلات پیدا کیں قید و بند کے دروازے کھولے۔ گورنمنٹ میں عہدے اور منصب اور سرٹیفکیٹ حاصل کئے اور اس طرح دارالعلوم کے اکابر اور مخلصین ملت کی ایک ایک کوشش کو ناکام بنا دینے کی کوشش کی دیوبند اور علی گڑھ کی یہ کشمکش تھی جس نے بعد میں مسلم لیگ اور جمعیت علمائے ہند کی چپقلش کی صورت اختیار کی۔ انتہائی تلخ تجربات کے باوجود اس دور میں بھی علمائے دیوبند مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق اور قدیم و جدید کی ہم آہنگی سے مایوس نہیں ہوئے لیکن مسلم لیگ کے اکابر نے انہیں جس طرح مایوس کیا اس کی دردناک روداد مولانا شبیر احمد عثمانی نے علیہ الرحمہ نے اپنے ایک انٹرویو میں بیان کر دی ہے۔ یہ انٹرویو خواجہ عبدالوحید صاحب نے لیا تھا اور علامہ عثمانی کی زندگی ہی میں لاہور کے ایک اخبار میں چھپوا دیا تھا۔ اس کے باوجود کہ علی گڑھ دیوبند کو کبھی گوارا نہیں کر سکا لیکن ملت کی غمگساری اور اسلامی اخلاق و سیرت اور اخلاص و عمل میں دیوبند سے متاثر ہوئے بغیر بھی نہ رہا۔

علی گڑھ کے جامد اور انگریز پرست ماحول سے جو چند آزادی کے متوالے اور ملت کے بہی خواہ نکلے جنہوں

نے علی گڑھ کی پیشانی کے کلنگ کا ٹیکا مٹانے کی کوشش کی اور اگرچہ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکے لیکن وہ اپنے اخلاص اور بہی خواہی ملت کا نقش ضرور لوگوں کے دلوں پر ثبت کر گئے۔ ان میں مولانا محمد علی، شوکت علی، تصدق احمد خان شیروانی، حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خان، مولانا حمید الدین فراہی، اور چند ایسے ہی اور حضرات ہیں۔ یہ تمام اصحاب حضرت شیخ الہندؒ سے متاثر اور آپ کے نقش سیرت کے گرویدہ تھے اور اسی تاثر اور گرویدگی کے نتیجے میں قومی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرایا تھا۔ علی گڑھ میں سرسید کی گدایانہ پالیسی کے خلاف جو احساس اور جذبہ پیدا ہوا اس میں سب سے نمایاں اثر دیوبند کا تھا حالانکہ دیوبند کے اکابر نے علی گڑھ کے خلاف نہ تو کبھی پرجوش تقریریں کی تھیں نہ لوگوں کے جذبات کو بھڑکایا تھا۔ اور نہ محمد علی کیطرح اسکی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی دھمکی دی تھی۔ لیکن دیوبند کی ایک سیرت تھی جس نے علی گڑھ کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا۔ یہ سیرت اپنا کام کر رہی تھی۔ اور اس کے اثرات رفتہ رفتہ پھیل رہے تھے۔ علی گڑھ کے علاوہ ملک میں دوسرے سیاسی و دینی ادارہ ثقافتی و تہذیبی حلقے بھی دیوبند سے متاثر ہوئے۔ نواب وقار الملک ظاہر ہے کہ علی گڑھ کی پیداوار نہ تھے۔ حکیم اجمل خان ایک دوسرے دائرے سے تعلق رکھتے تھے۔ ڈاکٹر انصاری (مختار احمد) کا میدان دوسرا تھا، مولانا ابوالکلام آزاد کا ابتدائی ماحول دوسرا تھا، ان کے والد ایک دوسرے مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ حالی و شبلی اپنی الگ الگ دنیائیں رکھتے تھے۔ اکبر الہ آبادی کا مزاج اپنا تھا۔ لیکن حضرت شیخ الہندؒ کی شخصیت اور دارالعلوم دیوبند کے نقش کردار میں ایک ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ جو ایک نظر اس پر ڈالتا تھا اسی کا ہو رہتا تھا۔

دیوبند کے اثرات ملک کے اداروں اور شخصیات ہی پر نہیں بیرون کی اکابر شخصیات پر بھی پڑے اور ادارے بھی ان سے متاثر ہوئے۔ سفرنامہ اسیر مالٹا، نقش حیات، تحریک شیخ الہندؒ، ریشمی رومال تحریک، مولانا عبید اللہ سندھی کی تحریرات، اقبال شیدائی کی سرگزشت، ظفر حسن کی آپ بیتی وغیرہ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی ملی و سیاسی تحریک سے افغانستان، ترکی اور حجاز کی متعدد اہم شخصیات متاثر تھیں ——— دارالعلوم دیوبند کے اثرات بعض مستقل علمی خانوادوں پر بھی پڑے اس سلسلے میں پنجاب کے غزنوی خاندان اور یوپی کے بعض اہل حدیث علماء کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ علمائے اہل حدیث خصوصاً غزنوی خاندان اپنی ایک مستقل علمی روایت رکھتا ہے اس کی فکر و خدمات کا پیمانہ بہت بلند ہے۔ وہ دین اور ملت کی خدمت گزاری کی عظیم الشان تاریخ میں اپنا امتیاز رکھتا ہے۔ اس طرح لدھیانہ کا خانوادہ علمی جس کے آخری دور کے درشاہ علم و عمل میں مفتی محمد نعیم اور مولانا حبیب الرحمٰن کے سے اصحاب عزیمت دعوت گزرے ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔ جو ایک مستقل حیثیت کے مالک ہیں وہ اپنی زندگی اور افکار کی تعمیر میں اپنے والد کی فکری و علمی شخصیت کے بھی رہین منت نہیں ہیں۔ بلاشبہ انہوں نے اپنے والد کی سیرت کے کچھ اجلے نقوش کو اپنا لیا تھا، لیکن دارالعلوم دیوبند

اور اکابر دیوبند کی عظمت اور حضرت شیخ الہندؒ کی سیرت سے بھی متاثر تھے۔

بیسویں صدی کی ایک بڑی علمی شخصیت علامہ سید سلیمان ندوی کی تھی۔ انہیں ندوۃ العلماء کا فرزند عظیم کہنا چاہئے، لیکن دارالعلوم دیوبند کے دائرہ اثر سے وہ بھی باہر نہ رہے۔ وہ مولانا اشرف علی تھانویؒ سے سلسلۂ بیعت میں منسلک اور مجاز بیعت و ارشاد تھے۔ یہ مولانا تھانویؒ کا فیضان نظر کہئے یا مکتب دیوبند کی کرامت کہ اس تعلق بیعت کے بعد ان کے خیالات میں انقلاب عظیم پیدا ہوا۔ معراج روحانی کے اثبات میں ان کے پاس عقل و منطق کے استدلات کی کمی نہ تھی۔ وہ روایات کا سہارا لے سکتے تھے۔ بعض صحابہؓ اور علماء و حکماء کے اختلافات سے اپنے مقدمہ کو مستحکم کر سکتے تھے۔ لیکن ان کی روح سعید و قلب سلیم نے کمزور بنیادوں پر افکار کی تعمیر گوارا نہ کی اور اسی مسلک کو اختیار کیا جو دیوبند کے علمائے حق کا مسلک تھا اور مولانا تھانوی کے فیضان فکر و نظر نے جس کیطرف رہنمائی کی تھی۔

اسی سلسلے میں مولانا عبدالباری ندوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کا نام بھی آتا ہے۔ ان کی عقیدتوں اور ارادتوں کے رشتے اکابر دیوبند سے ہمیشہ استوار رہے۔ موجودہ شخصیتوں میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی نامور شخصیت ہے۔ ان کا تعلق رائے بریلی کے اس خانوادۂ علم و عرفان سے ہے جس کے ارادت بندوں اور فیض یافتگان نے دارالعلوم دیوبند کی بناد تعمیر میں حصہ لیا تھا۔ ان کے خاندان میں علم و دین کی ایک خاص روایت رہی ہے۔ وہ خود دعوت و ارشاد کے سلسلے کی ایک اہم شخصیت ہیں۔ ان کے خاندان میں علم و دین سیرت و اخلاق اور عرفان و تصوف کا کون سا سرمایہ نہ تھا جس کے لئے وہ دوسروں کے محتاج ہوتے۔ لیکن علمائے دیوبند سے ان کی عقیدت و ارادت معلوم ہے اور علوم قرآنی میں حضرت شیخ الہندؒ کے جانشین حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کی تعلیم و تربیت اور سیرت کی جھلک آنمحترم کی فکر و سیرت میں دیکھی جا سکتی ہے۔

علمی خدمات | علمی خدمات کے میدان میں بھی دیوبند اور اس کے فرزندوں نے کام ہی نہیں کیا کارنامے انجام دئیے ہیں۔ یہ علمی خدمات شخصی طور پر بھی انجام دی گئی ہیں اور منظم علمی اداروں کی صورت میں بھی دارالعلوم دیوبند نے بلند پایہ اہل قلم، مصنف، شاعر، صحافی اور مختلف علوم و فنون کے ماہرین پیدا کئے۔

مفسرین و مترجمین قرآن کے سلسلے میں سب سے پہلا نام حضرت شیخ الہندؒ کا آتا ہے۔ آپ کے شاگردوں میں کئی حضرات ایسے گذرے ہیں جن کا شمار بلند پایہ مفسرین میں ہوتا ہے۔ ان میں مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد علی لاہوری، اور بواسطہ اشرف علی تھانوی، مولانا عبدالماجد دریابادی کا شمار بھی اسی مکتبہ فکر کے مفسرین میں کیا جانا چاہئے۔

یہ تمام مفسرین اپنی تفسیری خصوصیات کی بنا پر مفسرین میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ مولانا سندھی اور حضرت تھانویؒ تو گویا مستقل تفسیری دبستان کے بانی ہوئے ہیں۔

تمام اہل قلم میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا سید محمد میاں دیوبندی وغیرہ ایسے اصحاب علم و اہل قلم ہیں جنہوں نے اپنے افکار اور تحقیقات سے اردو کے دینی و تاریخی لٹریچر میں بیش بہا اضافہ کیا ہے۔ صحافیوں میں مولانا شائق احمد عثمانی (ایڈیٹر عصر جدید- کلکتہ) اور مولانا محمد عثمان فارقلیط (ایڈیٹر الجمعیۃ دہلی) اور شاعروں کی صف میں مولانا تاجور نجیب آبادی کے سے نامور صحافی اور شاعر گزرے ہیں۔ لاہور کے زمانہ قیام میں مولانا تاجور نجیب آبادی کی معرکہ آرائیاں تاریخ ادب اردو کا نہایت دلچسپ باب ہیں۔ مصلحین امت میں مولانا احمد علی لاہوری، اور مولانا اشرف علی تھانوی محققین و مفکرین اور محافظین ناموس رسالت میں مولانا انور شاہ کاشمیری علیہ الرحمہ کی سی نابغہ روزگار شخصیات گزری ہیں۔ مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی مرحومین اور ملک کے نامور خطیب ہوئے ہیں۔ قاری محمد طیب صاحب کا شمار بھی پاک و ہند کے بلند پایہ خطیبوں میں ہوتا ہے۔

علمی و مجلاتی صحافت کے میدان میں تو دیوبند کی خدمات کا پیمانہ بہت ہی بلند رہا ہے الرشید، القاسم، دارالعلوم وغیرہ رسائل تو دیوبند سے جاری ہوئے اس کے فرزندوں نے ملک کے طول و عرض میں اردو، عربی وغیرہ کے جو رسائل نکالے ان کی فہرست مرتب کرنے کیطرف ابھی شاید کسی نے توجہ نہیں کی۔ دیوبند کی خدمات کا یہ ایک اہم پہلو ہے۔ رسائل و جرائد کے ذریعے وقت کے اہم دینی، معاشی، سیاسی مسائل پر نہایت بلند پایہ لٹریچر فراہم ہوا۔ بلند پایہ علمی، تاریخی اور تحقیقی مقالات لکھے گئے، تہذیب و ثقافت اور دور جدید کے بے شمار مسائل پر فکر انگیز مضامین کا ذخیرہ فراہم ہوا۔

آج بھی ہندوستان پاکستان میں اگر بلند ترین علمی تحقیقی اور دینی مجلات کی ایک مختصر فہرست تیار کی جائے تو سر فہرست نام برہان دہلی، الحق اکوڑہ خٹک، اور بینات و البلاغ کراچی ہوں گے۔

علمی و تحقیقی اداروں کا قیام | دارالعلوم دیوبند میں اور اس کے باہر اس کے فرزندوں نے حالات وقت کے مطابق بلند پایہ علمی و تحقیقی ادارے بھی قائم کئے اور اب تو تقریباً تمام دینی مدارس میں تحقیق اور تصنیف و تالیف اور مجلات کے مستقل شعبے قائم ہو چکے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی بے شمار اور اہم خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے فارغ التحصیل ایسی ذہنی و فکری تربیت سے آراستہ ہوتے ہیں۔ جو کسی راہ میں صرف مقلدانہ گام فرسائی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ حالات و وقت کے مطابق اپنی راہ آپ پیدا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حالات و وقت کا جوں جوں تقاضا ہوا علمی ادارے بھی قائم ہوتے گئے اور رسائل و جرائد کا اجرا بھی عمل میں آتا گیا اور اس کے فرزند علم و عمل کے مختلف میدانوں میں ملت کی خدمت کی راہیں خود تلاش کرتے گئے۔ دارالعلوم کے اندر تصنیف و تالیف کے شعبہ

کے علاوہ کئی اکیڈمیاں قائم ہیں۔ ان میں سے ایک "مجلس معارف القرآن" ہے۔ دارالعلوم سے باہر ندوۃ المصنفین (دہلی) دارالعلوم کے فرزندوں کا کارنامہ ہے۔ مجلس علمی (ڈابھیل حال کراچی) اسی سلسلے کے تحقیق اور تصنیف و تالیف کا ذوق رکھنے والوں نے قائم کی انجمن خدام الدین اپنے تمام شعبوں کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کے عظیم شاگرد مولانا احمد علی لاہوری کے دینی و ملی خدمت گزاری کے جذبات کی آئینہ دار ہے۔ بیت الحکمت کے نام سے مولانا عبید اللہ سندھی نے ایک ادارہ قائم کیا تھا جس کا مرکز دہلی اور اسکی شاخیں کراچی، پیر جھنڈا، خان پور، لاہور میں قائم کیں۔ ان کے تحت بعض اہم تصانیف شائع ہوئیں۔ ان کے علاوہ تبلیغی و اشاعتی ادارے ہیں جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔

بحیثیت مجموعی علوم و معارف دینی میں تو دارالعلوم کو خاص امتیاز حاصل ہی تھا۔ دیگر علوم و فنون کے مختلف میدانوں میں بھی انہوں نے نمایاں مقام حاصل کیا۔ قرآن کے متعلق مختلف علوم میں، حدیث کے مختلف میدانوں میں، فقہ میں، علوم نقلیہ وغیرہ علوم دینی میں مقلدانہ اور نقل و اقتباس کی خصوصیات ہی کی بنا پر نہیں بلکہ مجتہدانہ نظر و بصیرت کی بنا پر بھی ان کے امتیاز و اختصاص کو دینی و علمی حلقوں میں تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ امتیاز دیوبند کی تاریخ ماضی ہی کا نہیں بلکہ آج تک اس کا یہ امتیاز قائم ہے۔

سیاسی خدمات اکابر دارالعلوم نے ہمیشہ اور ہر دور میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود، ملت کے قیام ملک کی آزادی اور ترقی کی ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور خواہ مسلمانوں کے مصالح ہوں یا تمام برادران کے مشترکہ مفاد کی جدوجہد ہو، انہوں نے کبھی ملت کی بہی خواہی اور خدمت خلق کے کاموں میں اپنے آپ کو کسی سے پیچھے نہیں رکھا۔ ملک کی آزادی کی جدوجہد میں وہ کسی دوسری جماعت کے نہ مقلد تھے نہ پیرو۔ تحریک اصلاح و جہاد کے زمانے سے ان کے بزرگوں نے قیام ملت اور ملک اور تمام برادران وطن کی آزادی اور فلاح و بہبود کا جو نصب العین اپنے سامنے رکھا تھا وہ اسی کی طرف بڑھ رہے تھے اس میں اپنوں اور بیگانوں سے اختلاف و اتحاد کے مرحلے پیش آتے رہے لیکن انہوں نے نہ کسی پر بھروسہ کیا نہ کسی کا انتظار وہ تمام باتوں سے بے نیاز آگے بڑھتے رہے۔ ہندوستان پاکستان کی جنگ آزادی کے ابتدائی دور سے لے کر آج تک ان کے سامنے تحریک خلافت تحریک ترک موالات، تحریک جہاد، تحریک ہجرت، تحریک پاکستان اور تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کے اوقاف، تاریخ و ثقافت کے آثار، تعلیم، اردو اور مسئلہ زبان مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی اور ان کے حقوق کی جدوجہد کے بے شمار مسائل پیدا ہوئے۔ پاکستان میں تحریک ختم نبوت اور جمہوریت کے قیام اور اسلامی دستور کے نفاذ کی تحریکات نیز مسلمانوں کی اصلاح، تہذیب اخلاق، اشاعت تعلیم، وغیرہ تحریکات تھیں ان میں دارالعلوم کے فرزندوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور حالات و وقت کے مطابق ان تمام تحریکات و مسائل میں دین کی تعلیمات

حقہ کے مطابق مسلمانوں کی بہترین رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔

۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) جمعیۃ الانصار دیوبند اور ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علمائے ہند کے آغاز کے قیام سے ملک کی آزادی کی جدوجہد میں منظم طور پر حصّہ لیا۔ اکابر کی ایک جماعت نے جمعیۃ علمائے اسلام کے قیام سے ایک دوسرے انداز سے ملک کی آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینا شروع کیا اور تحریک پاکستان کو تقویت دی۔ آزادی کی راہ میں ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں۔ قید و بند کی سختیاں جھیلیں، مال و متاع کا نقصان برداشت کیا۔ تجارت و ملازمت کو اس راستے میں قربان کر دیا اور اس جماعت کے ایک ایک فرد نے اتنی قید و بند اور اتنا نقصان برداشت کیا کہ مسلم لیگ کے تمام رہنماؤں نے مجموعی طور پر بھی نہ اتنی قید کاٹی ہوگی نہ اتنا نقصان برداشت کیا ہوگا۔ صرف ایک شخص مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے چوبیس سال جلاوطنی کی زندگی کے مصائب برداشت کئے۔ دارالعلوم دیوبند نے اپنے وابستگان سے مجاہدین حریت کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اس جماعت میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ہیں، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہیں، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہیں، اسی جماعت میں حضرت شیخ الہندؒ کی ذات والا صفات نظر آتی ہے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ہیں۔ جان نثار اسلام مولانا عزیر گل ہیں۔ امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی ہیں، فقیہ امت حضرت مولانا مفتی اعظم کفایت اللہ ہیں، مجاہد فی سبیل اللہ مولانا محمد میاں منصور انصاری ہیں۔ عازم حق مولانا محمد صادق (کراچی) ہیں، اس زنجیر کی آخری کڑیاں بھی ابتدائی کڑیوں سے کچھ کم اہم اور کم شاندار نہ تھیں۔ ان میں سے ایک کڑی مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی سیرت میں ڈھل کر ہمیشہ کیلئے تابندہ و زندہ جاوید ہوگئی تھی۔ حضرت سیوہاروی کی ذات ستودہ صفات، بارش کا آخری قطرہ تھا جو ملت کے نخل امید کو تر و تازہ کر گیا۔ انہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی جو خدمت کی اور ان کے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لئے جو مجاہدانہ کردار ادا کیا وہ ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اگر اس کے بعد بھی ملت مسلمہ کا وجود باقی اور اس کی رہنمائی کی ضرورت موجود ہے۔ تو ہمیں یقین رکھنا چاہیئے کہ دارالعلوم کے اخلاف میں بھی ایسی نابغہ اور صاحب عزیمت شخصیتیں ضرور پیدا ہوں گی جو ملت کی کشتی کو بھنور سے نکالیں گی اور اس کے مسافر ساحل امید کو پالیں گے۔

ادبی و لسانی خدمات اردو زبان کے باب میں بھی اکابر دیوبند کی خدمت کا پیمانہ نہایت بلند رہا اردو کو آسان بنانے، بول چال کی زبان سے اسے ہم آہنگ کرنے اور ایک علمی زبان کا رتبہ دینے میں سرسید کی خدمات کا صور کچھ اس بلند آہنگی سے پھونکا گیا ہے۔ کہ لوگ یہی سمجھ بیٹھے کہ اس تحریک کے قافلہ سالار سرسید ہیں لیکن ان بے خبروں کو معلوم نہیں کہ تاریخ کی شہادت اس سے مختلف ہے۔ سرسید کی پیدائش کا سال ۱۸۱۷ء ہے۔ حضرت شاہ رفیع الدین کا سال وفات بھی یہی ہے۔ شاہ عبد القادر کا انتقال اس سے تین سال قبل یعنی ۱۸۱۴ء میں ہو چکا تھا ان ہر دو ابنائے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی فرد خدمات میں ترجمہ قرآن بہت نمایاں ہے۔

شاہ رفیع الدین کے ترجمے کی اولیت اور حضرت شاہ عبد القادر کے ترجمے کی سلاست اور بامحاورہ و

ٹکسالی زبان میں ہونے کی شہادت سرسیدؒ نے خود دی ہے اور بابائے اردو مولوی عبدالحق تک اردو کے تمام مورخین اور تذکرہ نگاروں نے ان کے ترجمے کے ادبی ولسانی محاسن کا اعتراف کیا ہے۔ بلاشبہ یہ وہ حضرات تھے جن کی خدمات کو دارالعلوم دیوبند کی خدمات کے زمرے میں محسوب نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ وہ اسلاف تھے جن کی وراثت علمی ودینی کا وارث اول اگر کوئی ہے تو وہ دارالعلوم دیوبند ہے۔ ان اصحاب کے بعد مولانا عبدالحی اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا دور آتا ہے۔ یہ زمانہ سرسید کی خوردسالی کا تھا۔ ان حضرات کی خدمات کا غلغلہ بلند تھا۔ اور دہلی کی ٹکسالی اور بامحاورہ اردو میں ان کی عظیم الشان کتاب "تقویت الایمان" منصۂ شہود پر آچکی تھی۔ سرسید نے حضرت شاہ صاحب کی تقریروں کے مطالب سے اپنے دامن فکر ونظر کو بھرا تھا۔ بلاشبہ حضرت شاہ صاحب بھی بانیان دارالعلوم میں نہ تھے لیکن اس براہیم وقت کی میراث فکر وسیرت تو اکابر دیوبند ہی کے حصے میں آئی نہ کہ سرسید اس کے وارث ہوئے۔ لیکن اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، قطب وقت حضرۃ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تو دارالعلوم کے بانیوں میں سے تھے۔ یہ حضرات اس زمانہ بامحاورہ، بول چال کی زبان اور آسان وعام فہم اردو میں اپنی متعدد کتب وتصانیف تالیف فرما چکے تھے جب بانی علی گڑھ کالج سرسید احمد خان، صہبائی مرحوم سے مقفیٰ مسجع زبان لکھنے کی تربیت حاصل کر رہے تھے۔ حضرۃ قاسم نانوتویؒ کی تالیف رسالہ حجۃ الاسلام، تقریر دلپذیر مجموعہ رسائل قاسم العلوم وغیرہ حضرت امداد اللہ کی تصانیف غذائے روح، ضیاء القلوب، تحفۃ العشاق، فیصلہ ہفت مسائل اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تصانیف کا تعلق خاص سرسید کے عہد سے تھا۔ یہ حضرات بانیان دارالعلوم تھے۔ ان تصانیف کے ادبی محاسن اور لسانی خصائص کی طرف کم توجہ کی گئی ہے، لیکن ان کا دائرہ اس سے بہت وسیع ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے ان کی ادبی اور لسانی خدمات کا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے۔ جب سرسید کتمان عدم سے وجود میں بھی نہ آئے تھے، انکی خدمات کا یہ سلسلہ اس وقت بھی جاری تھا جب ان کے دودھ کے دانت بھی نہ اکھڑے تھے۔ وہ یہ خدمت اس وقت بھی اپنے قلم سے انجام دے رہے تھے جب سرسید اپنی تحریر وتالیف میں صہبائی کی نظر وکاوش کے رہین منت تھے اور یہ خدمت انہوں نے اس وقت بھی انجام دی جب سرسید انگریزی حکومت کی برکتیں اور برٹش حکومت کے قیام اور استحکام کے لئے "اپنی مدد آپ" قسم کے مضامین لکھ رہے تھے۔ اور دیوبند کی یہ خدمت اس وقت بھی جاری رہی جب اردو ادب کے عناصر خمسہ میں اختلال پیدا ہوگیا۔ اور رفتہ رفتہ منتشر ہوگئے۔ سرسید اس جہاں سے رخصت ہوگئے اور ان کا کوئی جانشین پیدا نہ ہوسکا۔ نذیر احمد، شبلی، محمد حسین آزاد، دوسرے دائروں سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے سرسید کی تحریک کیطرف پلٹ کر نہ دیکھا۔ حالی بلاشبہ اپنی وفاداری میں استوار رہے، لیکن ان کے جانشینوں نے ادب میں اپنی راہ آپ بنائی۔ بہرحال سرسید نے زبان وادب کی جو عظیم الشان خدمات انجام دیں اس سے انکار نہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ اولیت کا سہرا اس میدان میں بھی ارباب دیوبند کے سر ہے۔ ■■

یادرفتگان

امجد علی شاکر ایم اے
اردو سیاسیات

آہ حضرت مولانا عبدالہادیؒ دین پوری

بستی کمر خویش شکستی کمرما

یہ مہکتے دنوں کی بات ہے جب جسم کے اندر باطن میں خوشبوؤں نے بسیرا کر لیا تھا۔ میں پر جوش تمناؤں کی خوشبوؤں میں لپٹا لپٹایا ساہیوال کے سٹیشن سے سفر کا آغاز کر رہا تھا۔ یہ سفر جسم ہی کا نہیں دل کا بھی تھا اور دماغ کا بھی۔ دل اس سفر میں سب سے تیز رو نکلا اور وہاں جا پہنچا جہاں میں جلد از جلد پہنچنے کے لئے بے قرار ہو رہا تھا۔ انوکھی خوشبوئیں مجھے اپنی جانب کھینچ رہی تھیں میرا دماغ ملی تاریخ کے مرغزاروں میں آہوئے رمیدہ کی طرح بھر رہا تھا۔ یہ سفر طویل ہوتا گیا شبِ ہجراں کی مانند طویل مگر زلف یار کی خوشبو دل و دماغ کو مہکا دیتی تھی۔ گاڑی میں سفر کرنے والے تمام مسافر میرے ناواقف تھے اور میں مولانا روم کی بنسری کی طرح تنہا تھا جس کے بارے میں انہوں نے فرمایا تھا ؎

بشنو از نے چوں حکایت می کند   کز جدائی ہا شکایت می کند

مگر تمام راستے میں میں آواز دوست کو سنتا گیا۔ میں حیران ہو رہا تھا کہ دورِ حاضر جو کہ مستِ چنگ و بے ثبات و بے حضور ہے۔ اس کو یہ معلوم نہیں کہ دوست کیا ہے دوست کی آواز کیا ؟ تو پھر یہ آواز کیسے آرہی ہے۔ گاڑی منزلیں طے کرتی جا رہی تھی بے آب و گیاہ منزلیں راستے میں آتی تھیں ان خشک بے آب و گیاہ زمینوں میں میں اس آواز دوست کی آمد پر حیران ہو رہا تھا ؎

خشک مغز و خشک تار و خشک پوست   از کجا می آید ایں آواز دوست   (مولانا روم)

صبح کو شروع ہونے والا یہ سفر شام کو ختم ہوا مگر کہاں ابھی تو مجھے خانپور میں احباب کے درمیان شب گزارنی تھی پھر دوسرا روز بھی۔

دوسرا دن جمعہ کے بعد ہم مخزنِ علوم و فیوض کے باہر سڑک پہ کھڑے سواری کی تلاش میں تھے۔ بارش کے مسکراتے قطروں نے موسم کو مزید خوشگوار بنا دیا تھا۔ ہر طرف شبنمی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ انتظار کرتے کرتے تھک گئے تو جناب میاں عارف صاحب نے فرمایا اچھا صبح چلیں گے اب ہمارا جانا خدا کو منظور نہیں تھا۔ مگر میں تو پیدل جانے کے لئے بھی بے قرار تھا بالآخر ہمیں

سواریاں رک گئیں اور ہم پیچ در پیچ راستوں سے گزر کر قدامت کی ایک خوبصورت علامت کے سامنے تھے۔ یہ علامت سنگ و خشت سے بنی تھی مگر جذبے کا خلوص اور دل کی محبتیں ان سنگ و خشت سے بھی ہمارے ساتھ ہم کلام ہو رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ہم وقت کے عظیم الشان شیخ کامل مرشد و سید عالم باعمل ہادی الی صراط المستقیم حضرت مولانا عبدالہادی صاحب دین پوری کے قدموں میں بیٹھے تھے۔

گاڑھے کرتے اور چادر میں ملبوس عظمتوں کی یہ علامت تلاوت میں محو تھی اور ہم ان کو اور ان کے مسکن کو دیکھ رہے تھے ہر چیز میں سادگی اور خلوص کی قدر مشترک کا بھرپور اظہار ہو رہا تھا۔ میں نے اس مقام کو صداقت کی جلوہ گاہ جانا اور سوچا ؎

باکہ گویم سرِ این معنی کہ نور روئے دوست بادماغ من گل و باچشم موسیٰ آتشست

حضرت مولانا تلاوت سے فارغ ہوئے تو ہم سے مخاطب ہوئے ہمیں حقیر سمجھ کر نہیں ہمیں شفقت و محبت سے بڑا مقام دے کر جو صرف اہل حق ہی کے لئے مخصوص ہے۔ ہماری درخواستوں کو مسرت کے ساتھ شرف قبول بخشا۔ ایک دوست نے درخواست کی کہ حضرت اسے اپنے حلقہ ارشاد میں داخل فرمالیں تو اس کے جواب میں حضرت نے جس انکساری کا اظہار کیا وہ اب بھی یاد آجائے تو آنکھیں ہی دل کی کیفیت کا اظہار کرتی ہیں یہ بات تکلف سے نہیں فرمائی تھی یہ سراسر خلوص کی زبان تھی اسی لئے تو ہم سب کی آنکھیں گھی کے چراغ بن گئیں۔

میاں محمد عارف صاحب نے حضرت کی خدمت میں صادق آباد کے دوستوں کی طرف سے شائع شدہ کتابچہ علامہ اقبال اور حضرت مدنی پیش کیا تو حضرت کے لب متبسم ہو گئے۔ آپ کا چہرہ اہتزاز کی کیفیت کا اظہار کر رہا تھا زبان مبارک سے اکابر کے بارے میں چند کلمات محبت ارشاد فرمائے۔ اس کے بعد ہماری درخواستوں کو شرف قبولیت بخشنے لگے ہم روانہ ہونے لگے تو بھی اپنے لئے دعا کی درخواست کر دی۔ حضرت نے میرا نام پوچھا۔ مقام پوچھا پھر دعا کے لئے ہاتھ بلند کر دئے۔ میرے دل کو اسی وقت سے ہی دعا کے مستجاب ہونے کا یقین ہو گیا۔

یہ ہیں چند ٹوٹی پھوٹی باتیں جنہیں متفرق بیان کر دیا ہے۔ اب میں مخفی محبت کو کیسے بیان کر دوں جس کو خوشبو چار سو بکھری ہوئی ہے۔ بعض کیفیتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں حواس خمسہ اپنے ادراک کے دائرے میں مقید نہیں کر سکتے مگر انہیں وجدان پالیتا ہے مگر ان کا الفاظ میں اظہار کیسے ممکن ہے کب کسی نے محاورے کا دوسری زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ کب دل کی کیفیت اور روح کا اہتزاز الفاظ میں بیان ہو پایا ہے۔ جب ہم دین پور سے لوٹ رہے تھے تو ہم جذبے سے سرشار تھے محبت کی بارش نے ہماری نس نس کو بھگو دیا تھا۔ چار سو ایک انجانی پھوار کا احساس ہو رہا تھا قدم واپسی کے لئے اٹھنے کو تیار نہیں تھے۔ مگر واپسی ضروری تھی ہمیں واپس اپنا فرض بلا رہا تھا میری کیفیت ہر ایک سے مختلف تھی۔ میں حسرت و یاس کا مرقع بنا ہوا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اب زندگی بھر وصال کی گھڑی نہ آئے گی۔ میں پھر کبھی دیدہ و دل لے کر اس درویش کامل کے حضور نہ آسکوں گا۔ یہ خیال آتے ہی میرا دل حسرت میں ڈوب گیا۔ مگر دوسرے لمحے تشکر کے احساس نے مجھے جھکا دیا۔

باقی ص ۲۷ پر

قسط ۴

مولانا عبد القدوس گنگوہی کی

لطائف قدوسی کی تاریخی اہمیت

جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب

لاہور

حضرت گنگوہی اور سروانی افغان | عمر خان سروانی لودھی عہد کا ایک نامور امیر تھا۔ سلطان بہلول لودھی نے اُسے شاہزادہ نظام، جو بعد میں سکندر لودھی کے لقب سے تخت نشین ہوا، کے سپرد کیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ شاہزادے سے ناراض ہوکر باربک شاہ کے پاس جونپور چلا گیا۔ لیکن وہاں اس کی خاطر پذیرائی نہ ہوئی۔ عمر خان وہاں سے برداشتہ ہوکر جونپور سے رودولی چلا آیا۔ اور یہاں آتے ہی اس نے لوگوں سے پوچھا کہ اس جگہ کوئی درویش موجود ہے؟ لوگوں نے حضرت گنگوہی کا نام لیا تو وہ انہیں ملنے آیا۔ اور عندا لملاقات ان کے پاؤں پکڑ کر کہنے لگا "میرے پاس رہنے کی جگہ نہیں آپ مجھے جگہ دیجیئے۔" حضرت نے اس کی دلجوئی کے لئے فرمایا:

اگر عند اللہ مارا جائی ہست ترا نیز خواہد	اگر اللہ کی طرف سے ہمارے لئے جگہ ہے
بود۔ اندیشہ مکن کار تو بر حسب مطلوب	تو آپ کے لئے بھی بن جائے گی۔ آپ فکرمند
خواہد شد [113]	نہ ہوں۔ آپ کا کام حسب منشا ہو جائے گا۔

حضرت گنگوہی کی ملاقات کے بعد وہ یونس دیوانے سے بھی ملا۔ اور اسے نذر پیش کی۔ یونس نے عمر خان کو کرسی پر بٹھایا جس سے یہ مراد تھی کہ اسے سلطان کے دربار میں عزت کی جگہ ملے گی۔ ابھی عمر خان اپنی قیام گاہ پر نہیں پہنچا تھا کہ راستے میں اسے شاہزادہ نظام کے قاصد مل گئے۔ وہ اس کے لئے خلعت لے کر آئے تھے۔ انہوں نے عمر خان کے سامنے قرآن پاک کی قسمیں کھا کر اسے یقین دلایا کہ شہزادے کے دل میں اس کی طرف سے کوئی غبار نہیں ہے۔ عمر خاں یہ مژدہ سن کر بے حد خوش ہوا۔ اور قاصدوں کے شاہزادے سے ملنے چلا گیا۔[113]

[111] شیخ رکن الدین۔ لطائف قدوسی ص ۸۳   [112] ایضاً ص ۳۰

[113] ایضاً ص ۳۰۔۳۱

عمر خان سروانی کی بیٹی بی بی اسلام خانو حضرت گنگوہی کی مرید تھی۔ اس نے راہ سلوک میں بڑی محنت کی اور ہر وقت عبادت میں مشغول رہتی تھی۔ شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ وہ اپنے ہر عضو سے "اللہ" کی آواز سنتی تھی۔ اس کے دو بھائی ہیبت خان اور سعید خان کا شمار حضرت گنگوہی کے مخالفین میں ہوتا تھا۔ انہوں نے حضرت کو شاہ آباد سے نکالنے کا عزم کیا۔ جب حضرت کو ان کے اس ناپاک ارادے کی اطلاع ملی تو انہوں نے فرمایا کہ دیکھا جائے گا۔ اس واقعہ سے چند روز بعد سروانیوں پر سلطان سکندر لودھی کا عتاب نازل ہوا۔ اور وہ شاہ آباد سے نقل مکانی کر کے گجرات چلے گئے۔ بی بی اسلام خانو کہا کرتی تھی کہ اس کے بھائیوں پر اس کے پیر کا غصہ نازل ہوا ہے[۱۱۴]۔

حضرت گنگوہی اپنی اس مریدہ کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ مکتوبات قدوسیہ میں اس کے نام حضرت کا ایک خط موجود ہے جس میں موصوف اسے لکھتے ہیں کہ اس کا شمار "مردانِ حق" میں ہوتا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ اسے خرقہ دیا جاتا اور خلافت عطا کی جاتی۔ لیکن چونکہ وہ عورت ہے اس لئے وہ اس کی مجاز نہیں[۱۱۵]۔

سروانیوں کے ساتھ حضرت گنگوہی کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے اور ان کے اکابر کے ساتھ ان کی باقاعدہ خط وکتابت رہتی تھی۔ مکتوبات قدوسیہ میں بہلول سروانی۔ سعید خان سروانی۔ بی بی اسلام خانو۔ راجو سروانی۔ ہیبت خان سروانی اور ابراہیم سروانی کے نام حضرت کے خط موجود ہیں۔ ان خطوں میں حضرت نے ان کے لئے جو القاب تحریر فرمائے ہیں وہ قابل مطالعہ ہیں۔

اننت کر جوگی جن دنوں عیسیٰ خان سروانی، سلطان محمود کے ساتھ بہار میں مقیم تھا۔ ان دنوں خان مذکور کے پاس اننت کر نامی ایک سنیاسی آیا اور کہنے لگا کہ بال ناتھ جوگی ساکن ٹلہ نے بابر کی مدد کی ہے۔ اس لئے وہ افغانوں کی مدد کے لئے آیا ہے۔ جب افغانوں کی مغلوں کے ساتھ جنگ ہو گی تو وہ میدانِ جنگ میں دشمنوں کی طرف رخ کرے گا اور وہ مقابلہ کی تاب نہ لا سکیں گے۔ اننت کر سلطان محمود کے استاد میاں مخدوم سے بھی ملا اور وہاں بھی اس نے ایسی ہی بڑ ماری لیکن کسی نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔

دتو سروانی اس زمانے میں عیسیٰ خان سروانی کے ساتھ مقیم تھا۔ اس کی اننت کر کے آشنائی ہو گئی۔ وہ بقول اس کے توحید خوب بیان کرتا تھا[۱۱۶]۔ ایک رات دتو نے حضرت گنگوہی کو خواب میں دیکھا انہوں نے اسے تنبیہ کی کہ اس

---

[۱۱۴] ۔ ایضاً ص ۱۴

[۱۱۵] ۔ شیخ عبدالقدوس۔ مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب نمبر ۸۶ ص ۹۱ "آں خواہر در میان مردان حق تعالیٰ قدم زدہ است کہ چشمہ پیران رواں کند"

[۱۱۶] شیخ رکن الدین، لطائف قدوسی ص ۴۰ ۔ "توحید نیکو بیان می کرد"

سنیاسی کی صحبت سے پرہیز کرے کیونکہ وہ زندیق ہے اور اسے خدا کا قرب حاصل نہیں۔ اتفاق سے انہی دنوں دتو بالاپتھ چلا گیا اور یوں اننت کرسے ملاقاتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس واقعہ کے دو سال بعد اننت کر بھی بالاپتھ پہنچ گیا۔ اور دتو کو تلاش کرتے کرتے اس کے گھر پہنچ گیا۔ دتو ان دنوں گھر پر موجود نہ تھا اور دیہات کا دورہ کر رہا تھا ــــ اننت کر نے پیچھے بعد دیگرے تین قاصد اس کے پاس یہ پیام دے کر بھیجے کہ وہ اسی سے ملنے آیا تھا۔ لیکن ملاقات نہ ہو سکی۔ اب وہ تیرتھ یاترا کے لئے پریاگ (پریاگ ؟) جا رہا ہے اور واپسی پر ان سے ملے گا۔

انہی دنوں دتو نے خواب میں حضرت گنگوہی اور ان کے فرزند اکبر شیخ حمید الدین کو دیکھا انہوں نے کہا کہ انہوں نے پہلے بھی منع کیا تھا کہ اس زندیق سنیاسی کی صحبت سے احتراز کیا کرے۔ دتو کہتا ہے کہ اس نے اننت کر کو بھی اپنے مرشد کے قریب کھڑے دیکھا۔ حضرت گنگوہی نے اپنا جوتا اتار کر شیخ حمید الدین کو دیا اور اسے سنیاسی کے سر پر مارنے کا حکم دیا۔ انہوں نے تعمیل حکم میں تین جوتے اننت کر کے سر پر لگائے۔ اس واقعہ کے دو تین روز بعد ہی وہ بالاپتھ سے چلا گیا اور چند روز بعد خبر ملی کہ مغلوں نے اسے قتل کر دیا ہے۔[۱۱۲]

لطائف قدوسی میں صفحہ ۰۰ کے بعد کے تمام واقعات فاضل مرتب نے دتو سروانی کی روایت سے تحریر کئے ہیں جب تک غور سے ان صفحات کا مطالعہ نہ کیا جائے قاری یہی تاثر لیتا ہے کہ واقعات کا مرکزی کردار شیخ رکن الدین ہیں۔ اننت کر کے ساتھ دتو سروانی کی ملاقات تھی اور وہی اس سے "اسرارِ توحید" سیکھنے جایا کرتے تھے[۱۱۳] استادِ گرامی پروفیسر خلیق احمد نظامی نے "سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات" میں لطائف قدوسی کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ شیخ رکن الدین ایک ہندو جوگی سے "اسرارِ توحید" سیکھنے جایا کرتے تھے[۱۱۴]

راقم السطور نے بھی استادِ گرامی کی تحریروں پر اعتماد کرتے ہوئے ایک سے زائد بار یہی بات دہرائی۔ اب جب لطائف قدوسی کا بغور مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ شیخ رکن الدین نے یہ واقعہ دتو سروانی کی زبانی نقل کیا ہے موصوف کبھی کسی ہندو سنیاسی کی صحبت میں نہیں بیٹھے۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم | جامع ملفوظات شیخ رکن الدین تحریر فرماتے ہیں کہ گنگوہ میں ابراہیم نامی ایک جولاہا رہتا تھا جو کھڈی چلانے کے ساتھ ساتھ درویشی میں بھی قدم رکھتا تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو حضرت گنگوہی نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی جب موصوف نماز سے فارغ ہوئے تو شیخ رکن الدین سے مخاطب ہو کر کہنے لگے "مرتبہ این میت بلند و رفیع در نظر می آید" اس واقعہ کے چند روز بعد حضرت گنگوہی دہلی تشریف لے گئے۔

---

۱۱۳ ایضاً

۱۱۴ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۵۸ء، ص ۴۵۱

جن دنوں موصوف دہلی میں قیام پذیر تھے انہی دنوں سلسلہ سہروردیہ کے نامور شیخ حضرت سماءالدین کا انتقال ہوا حضرت گنگوہی جنازے میں شریک ہوئے۔ نماز جنازہ سے فراغت کے بعد انہوں نے شیخ رکن الدین سے کہا۔ "مرتبہ ایں میت تم چو مرتبہ ابراہیم نمی بینم" اس کے بعد موصوف ابراہیم کا نام عزت سے لینے لگے اور جب بھی اس کا ذکر آتا تو اسے "شیخ ابراہیم کہتے۔" [119]

پیر ہو تو ایسا شیخ رکن الدین کے استاد مولانا جندن ایک خوبصورت عورت پر فریفتہ ہو گئے۔ خدا کی رحمت مریض عشق کے شامل حال تھی۔ اس لئے روز بروز مرض بڑھتا گیا۔ ایک دن انہیں معلوم ہوا کہ ان کی معشوقہ ندی پر کپڑے دھونے گئی ہے۔ مولانا بھی وضو کے بہانے لب جو پہنچ گئے اور اس کے قریب ہی اپنے کپڑے دھونے بیٹھ گئے۔ مولانا کا دھیان کپڑوں کی بجائے اپنی معشوقہ کی طرف لگا رہا اور جب ان پر عشق کا غلبہ ہوا تو موصوف "فعل نامشروع" کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مولانا اپنی جگہ سے ابھی اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ انہوں نے حضرت گنگوہی کو عصا تھامے اپنی طرف آتے دیکھا۔ مولانا جندن بے حد شرمندہ ہوئے اور وہاں سے کھسک گئے۔ موصوف شرم کے مارے کئی روز تک حضرت گنگوہی کے سامنے آنے سے ہچکچاتے رہے۔ مولانا جندن زبان حال سے ع

آفت کا سامنا ہو ترا سامنا نہ ہو

گنگناتے ہوئے گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک نکڑ پر حضرت گنگوہی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ حضرت نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا

"پاک نیست پیراں محافظ وقت اند۔" [120]

آداب پیراں و استاداں حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ استادوں اور پیروں کے ادب کا یہ تقاضا ہے کہ ان سے صرف ایک یا دو بار التماس کرنی چاہیئے۔ مریدوں اور شاگردوں کو چاہیئے کہ وہ تیسری بار التماس نہ کریں۔ [121]

حضرت گنگوہی اور ہندو حضرت گنگوہی وحدت الوجود کے بہت بڑے داعی تھے۔ عام طور پہ وحدت الوجودی صوفی بڑے وسیع المشرب ہوتے ہیں۔ حضرت گنگوہی کی یہ تحریر ان کے وسعت قلب کا پتہ دیتی ہے۔

"ایں چہ شور و ایں چہ غوغا کشادہ، کسی مومن کسی کافر کسی مطیع کسی عاصی کسی در راہ کسی بیراہ، کسی مسلم کسی پارسا، کسی ملحد کسی ترسا، و ہمہ در یک سلک است۔" [122]

---

[119] شیخ رکن الدین، لطائف قدوسی ص ۷۵ [120] ایضاً ص ۳۳

[121] ایضاً ص ۱۸

[122] شیخ عبدالقدوس، مکتوبات قدوسیہ، مکتوب نمبر ۱۱۰ ص ۲۰۵

اس قدر وسعت قلب کے باوجود حضرت گنگوہی اپنے پیشرو چشتی بزرگوں کی نسبت ہندوؤں کے بارے میں بڑے متشدد تھے۔ موصوف بابر کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

ہیچ کس از کفار عہدہ دیوانی و ہیچ وجہ نبود در دفاتر قلم نزنند و امیر و عامل نباشند چنانکہ در شرع خواری ایشاں کرد وہم صاغرون ست ہمراں نوع خوار و ذلیل باشند و مالگذاری کنند و جزیہ و زکوٰۃ مال بر وجہ شرع از ایشاں بگیرند و از جامہ پوشش مسلمانان منع سازند۔ و کفر خود مستور دارند و مراسم کفر بر طریق غلبہ و اعلان نکنند۔ مواجب از بیت المال اسلام نیابند و بکسب خود مشغول باشند و با مسلمانان ہیچ برابری نکنند تا رونق اسلام بعز کمال رسد۔[۱۲۳]	کسی بھی کافر کو عہدۂ دیوانی پر مامور نہ کریں یہاں تک کہ انہیں سرکاری دفاتر میں کلرک کا کام بھی نہ کرنے دیں۔ انہیں امیر اور عامل کے عہدے نہ دیئے جائیں۔ اور جس طرح شریعت میں "ہم صاغرون" کے تحت ان کی ذلت آئی ہے اسی طرح وہ ذلیل و خوار رہیں۔ وہ سرکاری واجبات ادا کریں اور ان سے شریعت کے مطابق جزیہ اور زکوٰۃ وصول کی جائے انہیں مسلمانوں جیسا لباس پہننے سے روکا جائے وہ اپنے کفر کو پوشیدہ رکھیں اور کفر کے شعار اعلانیہ اور زبردستی بجا نہ لائیں۔ وہ اسلام کے بیت المال سے رقوم نہ لیں وہ اپنے کسب کار میں لگے رہیں اور کسی طرح بھی مسلمانوں کی برابری نہ کریں تاکہ اسلام کی رونق اپنے نقطۂ عروج کو پہنچے۔

کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ اسی بزرگ کی تحریر ہے جو کافر و مومن کو "ہمہ در یک مسلک است" سمجھتے تھے دراصل بات یہ ہے کہ حضرت گنگوہیؒ نے رودولی میں مسلمانوں کی حکومت ہوتے ہوئے ہندوؤں کا عمل دخل دیکھ لیا تھا۔ ان کی موجودگی میں ہندو اسلامی شعار مٹانے لگے تھے اور مسلمانوں کو چڑانے کے لئے بازاروں میں کھلے بندوں سؤر کا گوشت فروخت کرنے لگے تھے۔ حضرت گنگوہیؒ نے ہندوؤں کی ذہنیت کو بروقت بھانپ کر بابر کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ انہیں سرکاری دفاتر میں بھرتی نہ کرے اور ان سے جزیہ وصول کرے۔

---

[۱۲۲] شیخ عبدالقدوس۔ مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب نمبر ۱۱۰ ص ۲۰۵

[۱۲۳] ایضاً۔ مکتوب نمبر ۱۶۹ ص ۳۴۳، ۳۴۴

حضرت گنگوہی کا عقیدہ | یہ بات عام مشہور ہے کہ چشتیہ سلسلہ کے اکثر و بیشتر بزرگ تفضیلی عقیدہ رکھتے شاہ نیاز احمد بریلوی۔ خواجہ حسن نظامی اور اُن کے خلفا ر سجادہ نشینان پھلواری۔ مارہرہ، کاکوری اور بدایوں کو سنّی ثابت کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ چشتیہ سلسلہ کے مشائخ کی کثرت کے برخلاف حضرت گنگوہی صحیح سنّی عقیدہ رکھتے تھے۔ موصوف ایک خط میں لکھتے ہیں:-

"صدیق اکبرؓ بر جملہ اولیاء عالم فضل آمد کہ ابتدا تا انتہا فضل صحبت یافت"[124]

لودھیوں کے زمانے کی دہلی | لودھیوں کے عہد کی دہلی کے متعلق لطائف قدوسی میں چند باتیں برسبیل تذکرہ آگئی ہیں۔ جامع ملفوظات نے سرای میاں بہوہ اور سرای شیخ عبدالصمد جونپوری کا ذکر کیا ہے[125] اسی طرح ایک موقع پر انہوں نے شیخ عبدالصمد کی خانقاہ کا بھی ذکر کیا ہے[126] حضرت گنگوہی نے ملفوظات میں قدیم دہلی کے تیرہ دروازوں کے نام برسبیل تذکرہ آگئے ہیں۔ انہوں نے دروازہ پالم۔ دروازہ شمشکار۔ دروازہ بزرگ۔ دروازہ کشمیر۔ دروازہ غزنین۔ دروازہ بھیلسہ۔ دروازہ مندہ۔ دروازہ کمال۔ دروازہ دہلی۔ دروازہ بداؤں۔ دروازہ سیری۔ دروازہ حاجب عطار اور دروازہ حوض رانی کا ذکر کیا ہے[127]

ضیاء الدین برنی نے اس فہرست میں دروازہ بھندر کال کا اضافہ کیا ہے[128]

شیخ رکن الدین کو خدا جزائے خیر دے انہوں نے ہمارے علم میں یہ اضافہ کیا ہے کہ دہلی میں ایک دروازہ بغداد بھی موجود تھا۔[129]

---

[124] ایضاً۔ مکتوب نمبر ۱۰۵ ص ۱۹۰

[125] شیخ رکن الدین۔ لطائف قدوسی ص ۴۹

[126] ایضاً

[127] محمد اسلم، سرمایۂ عمر۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۲۰۶

[128] ضیاء الدین برنی۔ تاریخ فیروز شاہی۔ مطبوعہ علی گڈھ ۱۹۵۷ء ج ۲۔ ص ۱۱۰

[129] شیخ رکن الدین۔ لطائف قدوسی ص ۴۹

سماجی اور اقتصادی انشورنس کی اسلامی تنظیم

اسلام اور موجودہ نظام انشورنس

جناب نور محمد صاحب غفاری لیکچرار
گورنمنٹ کالج بہاول نگر

پچھلے باب میں ہم نے نہایت اختصار سے انشورنس کی تعریف، اغراض و مقاصد اور آغاز و انجام کی تاریخ پر روشنی ڈالی۔ انشورنس کے اغراض و مقاصد کے پیش نظر تو یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ انشورنس ایک سود مند سکیم ہے جس میں کم از کم بیمہ دار (Policy Holder) کے دکھوں کا مداوا ضرور ہو جاتا ہے۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام میں انشورنس اپنے بنیادی مقاصد — امداد باہمی، مستقبل کے خطرات سے حفاظت اور نقصان کی صورت میں تلافی کے ساتھ اسلام میں نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے لیکن انشورنس کی جو موجودہ نوعیت ہے جس میں دینی اور دنیوی دونوں قسم کے مفاسد پائے جاتے ہیں اس کی اسلام کبھی اجازت نہیں دیتا۔ آئیے سب سے پہلے ان مفاسد کا جائزہ لیتے چلیں جو موجودہ نظام انشورنس میں پائے جاتے ہیں۔

موجودہ نظام انشورنس کے مفاسد

موجودہ نظام انشورنس میں دینی اور دنیوی دونوں قسم کے مفاسد پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کی الگ الگ تقسیم مشکل ہے کیونکہ مفسدہ مثلاً سود اگر دینی اعتبار سے حرام ہے تو دوسری طرف وہ معاشی تمدن کو بھی دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔ لہذا یہاں ہم ان مفاسد کا ذکر کریں گے جن کی طرف بعض اوقات اہل علم حضرات بھی توجہ نہیں فرماتے۔

۱۔ سود۔ ۲۔ قمار بازی۔ ۳۔ غیر شرعی شرائط۔ ۴۔ سٹہ بازی اور دھوکہ دہی وغیرہ۔

سود Interest - Usury انشورنس کے کاروبار کا حقیقت شناس یہ امر بخوبی جانتا ہے کہ اس کاروبار میں شریعت کا اصطلاحی ربٰو دو صورتوں میں پایا جاتا ہے۔

۱۔ انشورنس کمپنی جو سرمایہ مختلف افراد سے اکٹھا کرتی ہے اسے کاروباری کمپنیوں یا افراد کو سود پر دیتی ہے۔

۲۔ بیمہ شدہ شخص کو کمپنی مدت بیمہ مکمل ہونے پر یا اس کی موت کے بعد یا اس کی جائیداد تلف ہونے کی صورت میں اس کی اصل رقم (جس پر بیمہ ہوا تھا) مع کچھ زائد رقم کے جسے بیمہ کمپنی بونس کا نام دیتی ہے۔

قمار بازی (Gambling) انشورنس کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شے اس معینہ مدت جس پر بیمہ ہوا ہے سے پہلے مر یا تلف ہو جائے تو اصل رقم کے ساتھ جو بونس ملے گا اس کی شرح زیادہ ہوگی۔ فرض کریں اس طرح -/۵۰۰۰ روپے

ملیں گے) اور اگر اس متعینہ مدت کے بعد تک وہ بیمہ شدہ شخص زندہ رہتا ہے یا جائیداد باقی رہتی ہے تو شرح بونس کم ہو گی (فرض کریں -/۴۵۰۰۰ روپے) جب کہ تلف ہونے کے وقت کا علم اور تعین کرنا انسان کے بس کا روگ نہیں۔ اس شرط کے تحت انشورنس کا کاروبار قمار (جوا) ہے۔ ہمارے اس نظریہ کی دلیل الفرڈ منسز کا یہ قول ہے جو وہ بیمہ کے قواعد و ضوابط کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

ایسے معاملات میں انشورنس کے کاروبار میں سٹہ لگانے یا جوا کے عناصر شامل ہوجاتے ہیں۔ اب قمار کے بارے میں علماء اسلام کا قاعدہ ملاحظہ فرمائیے:-

تعلیق الملك علی الخطر والمال فی الجانبين[1] . قبضہ کے کسی ایسی شے پر موقوف رکھنا جس کے ہونے اور نہ ہونے کا برابر احتمال ہو اور مال دونوں طرف ہو۔

اس اجمال کی تفصیل انشورنس کمپنی کے معاہدہ کی روشنی میں یہ ہے کہ اگر بیمہ دار (Policy Holder) معینہ مدت سے پہلے مرگیا تو اس قدر رقم (فرض کیا ۶۰ ہزار) کا مالک ہوگا اور اگر معینہ مدت کے بعد زندہ رہا تو اتنی رقم (فرض کیا -/۴۵۰۰۰ روپے) ملے گی۔ مقدار رقم کا تعین نہیں۔ دونوں احتمال ہیں۔ زیادہ ملنے کا بھی اور کم ملنے کا بھی۔ لہٰذا بیمہ کا کاروبار جوا ہے۔ کیونکہ جوا کھیلنے والا نہیں جانتا کہ اسے کتنی رقم ملے گی یا وہ کتنی ہارے گا؟

جوا کی حرمت قرآن مجید میں آئی ہے۔

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۔ " بلاشبہ شراب اور جوا، بت اور پانسے ناپاک ہیں۔ کار شیطان ہیں پس ان سے بچو اگر تم کامیاب ہوسکو۔

"میسر، جوا" کی تفصیل میں امام ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں:-

ولا خلاف بين اهل العلم فی تحريم القمار وان المخاطرة من القمار فقال ابن عباس ان المخاطره قمار وان اهل الجاهلية كانوا يخاطرون علی المال والزوجة وقد كان مباحاً الی ان ورد تحريمه[3]۔ " جوئے کی حرمت کے سلسلہ میں اہل علم کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں اس فعل میں "خطر" کی ساری صورتوں کے شامل ہونے پر بھی اتفاق ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ خطر (کم یا زیادہ ملنے کا احتمال) جوا ہے۔ اہل جاہلیت اپنے مال اور بیوی ہر دو کو جوا کے داؤ پر لگاتے تھے شروع شروع میں اس کی اباحت تھی مگر پھر تحریم نازل ہوئی"

انشورنس چونکہ ایک جوا ہے لہٰذا غرر اور خطر کی ساری صورتیں شامل ہیں۔ پہلے خطر اور غرر کی تشریح کر لیتے ہیں تاکہ مسئلہ زیادہ واضح ہوجائے۔ "خطر" وہ ہے جس کا "ہونا نہ ہونا" معلوم نہ ہو اور غرر بھی انجام سے بے خبری کو کہتے ہیں ——
ملک العلماء ابوبکر الکاسانی فرماتے ہیں:-

---

[1] مفتی ولی حسن ٹونکی [2] المائدہ [3] احکام القرآن جلد ا ص ۳۹۸

الغرر مایکون مستور العاقبۃ[1] "غرر وہ ہے جس میں انجام سے بے خبری ہو"
بیمہ کے کاروبار میں غرر اور خطر دونوں پائے جاتے ہیں مثلاً بیمہ شدہ شخص یا شئے، کا مدتِ معینہ سے پہلے تلف ہونا یا مرنا یا باقی رہنا معلوم نہیں ہوتا اور وہ کتنی رقم پائے گا یہ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ یعنی زندہ رہا تو کم، فوت ہو گیا تو زیادہ۔ مگر موت کی کسی کو خبر نہیں۔ لہٰذا جس کاروبار کو زندگی یا موت کے بے وقت (جو معین نہیں) کے ساتھ مشروط کیا جائے وہ جوا ہے جس میں ضرر اور خطر دونوں ہیں لہٰذا ایسا کاروبار حرام ہے۔

امام دار الہجرت حضرت مالک بن انسؒ اسی قسم کے ایک معاملہ کی مثال دیتے ہیں۔

ان یعمد الرجل الی الرجل قد ضلت راحلته او دابته او غلامه و ثمن هذه الاشياء خمسون دينارًا فيقول انا اخذها منك بعشرين دينارًا فان وجدها المبتاع ذهب من مال البائع ثلاثين دينارًا و ان لم يجدها ذهب البائع منه بعشرين دينارًا و هما لا يدريان ايضاً اذا وجدت تلك الضالة كيف توخذ وما حدث فيها من امر الله تعالى عزوجل مما يكون فيه نقصها و زيادتها فهذا اعظم المخاطرة[2]

"ایک شخص کسی دوسرے شخص جس کی سواری یا سامانِ سفر یا غلام گم ہو گیا ہے اس طرح مدد کرتا ہے کہ اس کے گم شدہ مال کی قیمت ۵۰ دینار مقرر کر دیتا ہے اور صاحب مال سے کہتا ہے کہ یہ تیرا گم شدہ مال ہے تیرے ۲۰ دینار میں لیتا ہوں (گم شدہ مال والا یہ جان کر کہ ملے نہ ملے چلو ۲۰ دینار ہی سہی قبول کر لیتا ہے) پھر اگر وہ اس گم شدہ متاع کو پا لیتا ہے تو اس طرح وہ فروخت کرنے والے سے ۳۰ دینار اڑا لیتا ہے اور اگر نہیں تلاش کر پاتا تو پھر بیچنے والا اس سے ۲۰ دینار ہتھیا لیتا ہے اور وہ دونوں نہیں جانتے کہ جب وہ (سودا کرنے والا) اس گم شدہ چیز کو پائے گا تو وہ کس طرح پائے گا کس حال میں پائے گا؟ اور اللہ تعالیٰ کا اس چیز پر کیا حکم واقع ہو چکا ہوگا۔ جو اس میں نقص یا زیادتی کا موجب بن سکتا ہے اس طرح کا معاملہ کرنا بہت بڑا "خطر" ہے۔"

اس مثال میں یہی بتایا گیا ہے کہ ایسا معاملہ جس میں انجام کے اچھے یا برے دونوں طرح کے ہونے کا احتمال ہو شرعاً درست نہیں۔ ایسا ہی معاملہ انشورنس کا ہے جس میں بیمہ دار (Policy Holder) کو موت کے مدتِ معینہ سے قبل آجانے کی صورت میں رقم کے زیادہ ملنے اور زندہ رہنے کی صورت میں کم ملنے، دونوں طرح کا احتمال ہوتا ہے اور یہ جوا ہے لہٰذا حرام ہے۔

سٹہ بازی اور دھوکہ دہی۔ مروجہ نظام انشورنس میں سٹہ بازی اور دھوکہ دہی بھی ہے۔ دھوکہ دہی دونوں

---

۱ بدائع الصنائع جلد ۳ صفحہ ۶۲ ۲ مدونۃ الکبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۵۴

اطراف ۔بیمہ دار اور انشورنس کمپنی سے ہوتی ہے ۔بیمہ دار ایسا بھی کرتا ہے کہ دھوکہ دے کر اپنی جائیداد کی مالیت زیادہ کر دی اور جب بیمہ ہو گیا تو سود کی رقم جو اس کی مملوکہ شے کی مالیت سے زائد تھی وصول کرنے کے لئے اس شے کو مخفی طریقہ سے تلف کر دیا۔[1]

ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی سرمایہ دار نے اپنے روئی کے ذخیرہ یا کارخانہ کا ایک کروڑ کا بیمہ کرایا مگر جب کاروبار پر زوال آتے دیکھا تو اس ملک وملت کے دشمن نے روئی کو آگ لگا دی اور قومی سے انشورنس کمپنی کے ذریعہ ایک کروڑ روپیہ وصول کر لیا ۔اس سرمایہ دار کی مثال بالکل اس دشمن کی سی ہے جو کسی غریب کی جھونپڑی کو آگ لگا کر تماشہ دیکھتا ہے ۔

دوسری طرف انشورنس کمپنی کا سرمایہ دار ایک ہے جو سبز باغ دکھا دکھا کر قوم کی دولت سمیٹتا ہے اور ناپاک سودی کاروبار چمکاتا ہے اور لاکھوں روپے کماتا ہے مگر مسکین بھولے بیمہ دار کو صرف ۲/۱ یا ۴/۱ دے کر خوش کر دیتا ہے دراصل یہ ایسا قاتل ہے جس کے ہاتھ میں تلوار بھی نہیں ہوتی اور اپنے ابنائے جنس کو اس طرح موت کے گھاٹ اتارتا ہے کہ خون کا ایک قطرہ بھی نہیں گرنے دیتا ۔بلکہ اپنی سرمایہ داری کی دنیا کو رنگین کرنے کے لئے اسے پہلے ہی نچوڑ لیتا ہے اور اگر کبھی اس کو نقصان کا خطرہ ہوتا ہے تو اپنی انتہائی عیاری سے بیمہ داروں (Policy Holders) کے سر ڈال دیتا ہے جس کا خمیازہ پوری قوم بھگتتی ہے ۔اس کا نقصان بے نواؤں کو بھی پہنچتا ہے جن کا کبھی جہاز ڈوبتا ہے نہ کارخانے کو آگ لگتی ہے ۔

فاسد شرائط موجودہ انشورنس کے کاروبار کا ایک مفسدہ اس کی فاسد شرائط ہیں ۔ایسی شرائط جن کا تعلق غرر ،خطر اور جوا سے تھا ان کا ذکر ہم کر چکے ہیں لیکن ابھی ایک شرط جسے محسنِ انسانیت شریعت نے حرام قرار دیا ہے جسے کوئی بھی منصف مزاج مفکر انسان دشمن شرط کہے بغیر نہیں رہ سکتا ۔یہ ہے ایک متوسط طبقہ کا شخص جس نے اپنے لختِ جگر کا بیمہ کرایا تھا ابھی اس نے چند اقساط ہی ادا کی تھیں کہ اس کا کاروبار زوال پذیر ہو گیا ۔وہ بقیہ اقساط ادا نہیں کر سکتا ۔اب انصاف کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس کو اس کی پہلی جمع شدہ رقم واپس مل جائے لیکن انشورنس کمپنی والے ایسا نہیں کرتے بلکہ اس کی رقم سوخت کر لیتے ہیں اور دنیا کی کوئی عدالت اسے واپس نہیں دلا سکتی ۔کیا یہ ظلم نہیں ہے ۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ تحریر فرماتے ہیں :۔

تین قسموں کے بیموں ۔بیمہ زندگی ۔بیمہ املاک ۔بیمہ فرائض میں جو یہ شرط ہے کہ جو شخص کچھ رقم بیمہ پالیسی کی جمع کرانے کے بعد باقی اقساط کی ادائیگی بند کر دے تو اس کی جمع شدہ رقم سوخت ہو جاتی ہے یہ شرط خلاف شرع اور ناجائز ہے قواعد شریعہ کی رو سے ایسے شخص کو (جس نے بیمہ کرایا تھا) تکمیل معاہدہ پر مجبور کیا جا سکتا ہے ۔اور عدم تعمیل کی صورت میں کوئی تعزیری سزا بھی دی جا سکتی ہے لیکن ادا کردہ رقم کو اس جرمانہ میں ضبط کر لینا جائز نہیں ہو سکتا ۔[2]

---

[1] مولانا اسحاق سندیلوی سوانح مدینہ [2] بیمہ زندگی صد ۱۸

اس کا حل یہ ہو سکتا ہے کہ کمپنی ایسے قوانین بنائے جن کی رو سے ایسے اشخاص (جو اقساط کی درمیان میں ادائیگی خواہ مخواہ بند کردیں) کے ضرر سے بچا جائے۔ مثلاً جو شخص اقساط کی ادائیگی بند کردے اسے اس کی رقم چار یا پانچ سال بعد ملے گی یا اس سے کچھ جرمانہ برائے حفاظت رقم وصول کیا جا سکتا ہے وغیرہ۔

دوسری غیر شرعی اور ظالمانہ شرط یہ ہے کہ شریعت کی رو سے کسی مورث کی جائیداد اس کے شرعی ورثاء میں ان کے حقوق کے مطابق تقسیم ہو۔ مگر بیمہ کا کمپنی یہ ہے کہ بیمہ دار (Policy Holder) وہ رقم جس کے نام کرادے اسی کو ملتی ہے یہ ظلم اور گناہ ہے جو بیمہ دار بیمہ کمپنی کے ذریعہ اپنے ورثاء پر کرتا ہے۔

الغرض مندرجہ بالا مفاسد کی روشنی میں یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کے معتدل اور صالح نظام معیشت جس کی بنیاد اخوت وہمدردی اور عام رفاہیت وخوشحالی پر رکھی گئی ہو اس موجودہ نظام انشورنس کے لئے کوئی گنجائش نہیں جو سود، قمار، خطر، غرر اور دھوکہ دہی پر اپنی طرح ڈالتا ہے۔

فاضل جلیل استاد شیخ ابوزہرہؒ اس سلسلہ میں قابل توجہ ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

اگرچہ انشورنس کی اصلیت تو تعاون محض تھی لیکن اس کا انجام بھی ہر اس ادارہ کا سا ہوا جو یہودیوں کے ہاتھ میں پڑا۔ یہودیوں نے اس نظام کو جس کی بنیاد (مسلمانان اندلس نے[1]) "تعاون علی البر والتقویٰ" پر رکھی تھی، اسے ایسے یہودی نظام میں تبدیل کردیا گیا جس میں قمار (جوا) اور ربٰو (سود) دونوں پائے جاتے ہیں[2]۔

ایک اہم سوال اگر موجودہ نظام انشورنس شریعت اسلامیہ کی رو سے حرام اور مردود ہے اور جب کہ یہ ایک وبا کی طرح تمام ممالک اسلامیہ میں عام ہو رہا ہے تو کیا اس میں کوئی ایسی ترمیم ممکن ہے کہ یہ نظام قابل قبول ہو سکے؟

تو اس کا جواب یہی ہے کہ اسلام جو بنی نوع انسان کے لئے آخری ضابطہ حیات ہے جو انسانی زندگی کے ہر پہلو سے ہر دور میں اور ہر ایک انسان کی رہنمائی کا دعویٰ رکھتا ہے۔ اس کے نظام شریعت میں ایک باب اجتہاد فقہیہ کا ہے جو قیامت تک کھلا رہے گا اس کی روشنی میں علماء اسلام ہر دور میں نئے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرتے رہیں گے۔

انشورنس کا کاروبار جس کی ابتدا امداد باہمی کے اصول سے ہوئی تھی اور جس نے آج ایک مذموم سرمایہ دارانہ نظام کا روپ دھار لیا ہے جس کی بنیاد اب سود اور جوا پر رکھی جاتی ہے۔ یہ بھی علماء اسلام کے لئے توجہ طلب مسئلہ ہے اور اس کا حل شرعی بھی تلاش کیا گیا ہے اور علماء اسلام اس کا متبادل پروگرام بھی پیش کر چکے ہیں۔ یہاں ہم نہایت اختصار سے اس ترمیم واصلاح کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کے بعد انشورنس کا موجودہ نظام انسانیت کے ذریعہ فلاح اور رفاہیت بن سکتا ہے۔

---

[1] ایس۔ پی۔ اسکاٹ کی تحقیق کی روشنی میں مقالہ نگار کا اضافہ [2] لواء الاسلام بحوالہ بیمہ زندگی ص ۴۲-۴۳۔ از مولانا مفتی ولی حسن

ترمیم | Modification کے رہنما اصول یہ ہو سکتے ہیں:۔

۱۔ شرائط میں ترمیم :۔ یعنی غیر شرعی اور ظالمانہ شرائط کو شرع کی روشنی میں تبدیل کر دیا جائے۔

مثلاً :۔ الف۔ یہ شرط کہ اگر بیمہ دار مدت بیمہ کی تکمیل سے قبل ہی فوت ہو جائے تو زیادہ شرح منافع اور اگر تکمیل مدت کے بعد تک زندہ رہے تو کم شرح منافع۔ یہ غرر اور خطر ہے[۱]۔ اس میں ترمیم یوں کریں کہ رقم مع منافع ہر دو صورتوں میں ایک جیسی ملے گی۔

ب :۔ بیمہ دار (Policy Holder) اپنے خاندان کے جس فرد کے نام بیمہ کر رہا ہے اس کی موت کے بعد وہ رقم اسی کو ملتی ہے کسی اور کو نہیں لہٰذا اس کے دیگر ورثا اگر ہوں تو وہ محروم رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ ناجائز اور ظلم ہے۔

اس کی ترمیم یوں کریں۔ باپ کو یہ کہا جائے کہ وہ تمام ورثا کے لئے اس رقم کا بیمہ کرائے تاکہ اس کی موت کے بعد وہ تمام ورثا کو ملے جسے وہ اپنی شرعی حصص کے مطابق تقسیم کریں۔

۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بیمہ کمپنی والے بیمہ دار کی موت کے بعد وہ تمام رقم خود اس کے ورثا میں شریعت مطہرہ کی ہدایات کی روشنی میں تقسیم کریں۔ دوسرا طریقہ زیادہ موزوں اور بے ضرر ہے۔

۲۔ کاروبار کے طریقہ میں ترمیم :۔ ۱۔ اس کاروبار کو سود سے پاک کیا جائے جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ بیمہ داروں کو ایک مقررہ شرح سود دینے کی بجائے انہیں مضاربت اور شرکت کے شرعی تجارتی طریقوں کی روشنی میں کاروبار میں شریک کیا جائے۔ اور نفع اور نقصان میں ان کی رقم کی نسبت کے مطابق انہیں شامل کیا جائے۔ اس طریق کار میں بیمہ داروں کو زیادہ سے زیادہ نفع ہوگا۔

آج کل جو انشورنس کا سرمایہ کاری کا طریقہ ہے اس کے اعتبار سے مضاربت کا طریقہ بہتر ہے۔ یہاں ہم مختصراً مضاربت کے تجارتی طریقہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔

مضاربت ۱۔ اس کاروبار کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک فرد کی رقم ہوتی ہے اور دوسرے کی محنت۔ سالانہ نفع میں سے رقم والے کو اور محنت کرنے والے کو ایک خاص نسبت سے حصہ دیا جاتا ہے۔ فرض کریں سرمایہ دار کو ۱/۲ اور محنت کرنے والے کو ۱/۲ اور اصل رقم مال والے کی ہوگی۔ نقصان کی صورت میں نقصان سارے سارے کا اصل (capital) والا برداشت کرے گا۔ کیونکہ محنت والے کی محنت ضائع گئی اور مال والے کا سرمایہ۔

۲۔ جس کو رقم کاروبار کے لئے دی جائے وہ اس رقم کو آگے کسی دوسرے فرد کو مضاربت یا شرکت پر کاروبار کے لئے دے سکتا ہے۔ بعض فقہا کے نزدیک مضارب کو ایسا کرنے کے لئے راس المال والے سے اجازت لینا پڑتی ہے کہ وہ رقم آگے کاروبار پر دے سکتا ہے یا نہیں اور بعض کے نزدیک نہیں۔ بہر حال ایسا کر سکتا ہے۔ انشورنس کمپنیاں جو رقوم اکٹھی

---

[۱] غرر اور خطر کی تشریح گزر چکی ہے۔

کرتی ہیں وہ انہیں آگے کاروبار کے لئے مضاربت کی شکل میں دے سکتی ہیں۔

۳۔ جب مضاربت کرنے والا اس رقم کو دوسرے شخص یا کاروباری ادارہ کو دے گا تو اس کے ساتھ اپنی نئی شرائط طے کرے گا۔ یعنی وہ جس شخص کو رقم دے رہا ہے اس سے کتنا ٪ منافع لے گا فرض کریں یہاں ۱/۲ اور ۱/۳ طے ہوتا ہے۔

لیکن اس مضارب کا جو معاہدہ راس المال والے پہلے شخص سے ہو چکا ہے اس کے اس نئے کاروبار میں دخل نہیں بس وہ تو اس پہلے مضارب سے اپنا مقررہ حصہ منافع میں سے لے گا۔

۴۔ حساب کتاب سال ختم ہونے کے بعد ہوگا۔ اگر فریقین چاہیں گے تو حساب کتاب کے بعد کاروبار جاری رہے گا۔

۵۔ منافع کی تقسیم کرتے وقت پہلے سارا نقصان مہیا کیا جائے گا اور پھر جو بچے گا وہ مقررہ تناسب سے تقسیم ہوگا۔

الغرض یہ چند نمایاں قسم کے اصول ہیں تفصیل کے لئے کتب فقہ مثلاً ہدایہ۔ کنز الدقائق۔ المغنی۔ الکتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔ المبسوط اور اردو میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کی کتاب "شرکت و مضاربت کے اسلامی اصول" کا مطالعہ نہایت مفید رہے گا۔

II کسی شخص کا اس کی مالی حیثیت اور ذرائع آمدنی سے بڑھ کر کسی جائیداد کا اس کی قیمت سے زیادہ اور کسی ذمہ داری کا اس کے عوض سے بڑھ کر بیمہ نہ کیا جائے۔ اور جو شخص دھوکہ دے کر اپنی جائیداد زیادہ بتائے یا اس کی مالیت زیادہ ظاہر کرے جب چھان پھٹک کے بعد اس کا دھوکہ معلوم ہو جائے تو اسے اسلامی عدالتوں سے تعزیراتی سزا دلوائی جائے۔ جو موں کے مال کو سوخت کرنے کی بھی ہو سکتی ہے۔

غرض۔ یہاں ہم نے نہایت اختصار سے یہ عرض کیا ہے کہ موجودہ نظام انشورنس میں کیونکر اور کیا کیا تبدیلیاں کی جائیں کہ کاروبار اسلامی (Islamic) بن جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس عنوان کے تحت بہت زیادہ لکھنے کی ضرورت تھی۔ مگر یہاں اس سے اتنا ہی تعارض کیا گیا ہے جتنے کا تعلق ہمارے مقالہ سے تھا۔ لیکن یہ کام کسی ایک فرد یا ادارے کا نہیں بلکہ اس کی اصلاح کی قومی سطح پر ضرورت ہے۔ راسخ العقیدہ علماء اور جدید تعلیم یافتہ حضرات جو پختہ فکر اور دین کا درد رکھنے والے ہوں۔ اس کاروبار کو جوا اور سود سے پاک کرنے کے لئے تجاویز مرتب کریں۔

اسلامی حکومت اس کام کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے اور کاروبار اسلامی خطوط پر استوار کرنے کا پختہ عزم کرلے تو کوئی ان ہونی بات نہیں کہ یہ حرام کا کاروبار حلال اور طیب بن جائے۔ آخر آج کا سودی کاروبار کیا ۴ یا ۵ سال میں ایسا سائنٹیفک (Scientific) طریقہ پر چلنے کے قابل ہو گیا تھا؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ اس نے مدتوں اپنا سفر جاری رکھا۔ تب اس منزل پر پہنچا۔

زندہ۔ خوددار اور باضمیر قومیں جنہیں اپنے مقصد حیات سے لگاؤ ہو تو وہ دشواریوں میں بھی زندہ رہنے کی راہیں تلاش کر لیتی ہیں۔ اگر ہمیں اسلام کے نظام اقتصادیات سے دلی لگاؤ ہے اس میں پوشیدہ خیر پر اعتماد ہے اور اسے ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ مانتے ہیں تو پھر علماء اسلام اور مسلمان ماہرین معاشیات کی اجتہادی قوتوں اور علمی بصیرت کے لئے یہ کوئی مشکل نہیں۔

شفیق فاروقی
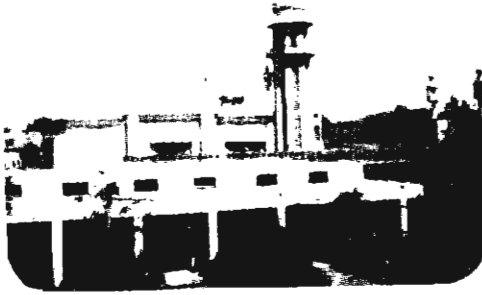
دارالعلوم کے شب و روز

۲۹ اگست ۱۹۷۹ء ——— جنرل سیکرٹری جماعت اسلامی قاضی حسین احمد صاحب تشریف لائے۔ دفتر الحق میں جناب مدیر صاحب سے تحریک اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں بات چیت کی۔ دوسرے دن ۳۰ اگست کو قاضی صاحب موصوف اور مدیر الحق نے جامع مسجد دارالعلوم میں بعد از نماز عصر طلبہ و اساتذہ سے تحریک کے سلسلہ میں خطاب کیا اس موقع پر اتفاق سے قاری سعید الرحمان صاحب راولپنڈی اور مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم کے فرزند مولانا محمد بنوری، (کراچی) بھی تشریف لائے تھے۔

۳۱ اگست ۱۹۷۹ء ——— پشاور یونیورسٹی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی گئی (جسکی تفصیل شائع ہو چکی ہے)

۲ نومبر ۱۹۷۹ء ——— دارالعلوم کے ایک فاضل مولوی سعید الرحمان نعمانی افغانستانی کے پورے وفاق المدارس کے امتحانات دورۂ حدیث میں اوّل آنے پر دارالحدیث میں طلبہ اور اساتذہ کا ایک جلسہ ہوا جس میں بطور انعام موصوف کو کتابیں دی گئیں

۴ نومبر ۱۹۷۹ء ——— حضرت شیخ الحدیث مدظلہ آنکھوں کا معائنہ کرانے کے سلسلہ میں لاہور تشریف لے گئے۔ جاتے ہوئے راولپنڈی کے سی ایم ایچ میں آپ نے مولانا مفتی محمود مدظلہ کی عیادت کی اور کچھ دیر ان کے ساتھ رہے، دوسرے دن لاہور میں ڈاکٹر راجہ ممتاز صاحب اور ڈاکٹر صاحب نے آنکھوں کا معائنہ کیا، تیسرے دن آپ لاہور سے واپس آ گئے۔ لاہور میں آپ کا قیام جامع اشرفیہ نیلا گنبد میں رہا۔ امیر انجمن خدام الدین مولانا عبیداللہ انور مدظلہ اور دیگر حضرات آپ کی عیادت و زیارت کے لئے تشریف لائے۔ جناب مدیر الحق بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

قیام لاہور کے دوران جناب مدیر الحق نے جامعہ اشرفیہ میں شہر لاہور کے سوادِ اعظم اہل سنت والجماعت کی ایک میٹنگ میں مختصر خطاب بھی فرمایا جس میں شہر لاہور کے خطباء و ائمہ موجود تھے۔

وفاقی وزیر امور کشمیر | وفاقی وزیر امور کشمیر و قبائل الحاج فقیر محمد خان صاحب دارالعلوم تشریف لائے آپ نے

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ملاقات کی اور بعد از نماز جمعہ دارالعلوم کی مسجد قدیم میں حاضری کے ایک اجتماع میں موجودہ حالات پر خطاب بھی فرمایا۔ آپ نے قیام دارالعلوم کے دوران دارالعلوم کا تفصیلی معائنہ بھی فرمایا۔

● جناب مدیر الحق نے رائے ونڈ کے سالانہ تبلیغی اجتماع کی آخری نشست میں شمولیت کی آپ نے اس موقع پر جناب امیر تبلیغ مولانا انعام الحسن صاحب اور دیگر اکابر سے بھی ملاقات کی، اس سفر میں احقر کے علاوہ جناب محمد رازق صاحب شدید و جناب محمد اسلم صاحب جہانگیرہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

● مشہور ادیب و مصنف پروفیسر محمد ایوب قادری کراچی دارالعلوم تشریف لائے اور تقریباً سارا دن مدیر الحق کے ساتھ رہے۔ آپ نے دارالعلوم کے کتب خانہ میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا، اور دارالعلوم کو دیکھ کر بے حد محظوظ ہوئے۔

وزیر دفاع میر علی احمد تالپور کی آمد ۲۸ نومبر ۱۹۷۱ء — وفاقی وزیر دفاع جناب میر علی احمد تالپور صاحب اپنے دورۂ پشاور کے دوران حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی عیادت اور زیارت کے لئے دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، اور مولانا سمیع الحق صاحب مدیر الحق نے آپ کو دارالعلوم کے تعمیرات اور مختلف شعبوں کا معائنہ کرایا اس کے بعد آپ نے حضرت شیخ الحدیث صاحب سے ملاقات کی اور گھنٹہ سوا گھنٹہ آپ کے ساتھ رہے جدید دفاتر دارالعلوم میں آپ کو معززین کے ساتھ چائے کی ضیافت دی گئی۔ اس کے بعد کتب خانہ کے وسیع ہال میں جناب تالپور صاحب نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے ملک کے موجودہ حالات اور حکومت کے عزائم پر روشنی ڈالی، آپ نے اہل علم کے مقام و مرتبہ کو سراہتے ہوئے کہا کہ وزارتیں اور صدارتیں اس مقام کے سامنے ہیچ ہیں اور میں حق اور نیکی کے ساتھ ہمیشہ ساتھ دیتا رہا ہوں اب بھی اگر ایسا کر سکوں تو بہتر کہ باطل اور بدی کے مقابلہ میں پیش پیش رہوں گا۔ تالپور صاحب نے اپنی تقریر میں قومی اسمبلی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کے کردار کو سراہا اپنے تحریری تاثرات میں آپ نے لکھا:

> "یہ فقیر علی احمد تالپور آج حضرت مولانا عبدالحق مدظلہ کی عیادت پرسی کیلئے حاضر ہوا۔ اور مدرسہ عالیہ کی عظیم الشان عمارت، اور طلباء کی رہائش کا عظیم منصوبہ دیکھا جو دین حق کی سربلندی کیلئے جاری ہے۔ اور میں اپنی زندگی کے وہ ایام بہترین ایام سمجھتا ہوں۔ جب میں قومی اسمبلی میں ایک غاصبانہ قوت کا حضرۃ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی رہنمائی میں مقابلہ کر رہا تھا۔ خداوند کریم اس صدقہ جاریہ کو قائم و دائم رکھے اور دین اسلام کی اور پوری انسانی ذات کی بہترین خدمت"

استقبالیہ کلمات میں مولانا سمیع الحق صاحب نے وزیر موصوف کا خیر مقدم کیا اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے بھی وزارت دفاع کے منصب کے لئے تالپور صاحب کے انتخاب پر صدر مملکت کی تحسین کی۔ وزیر دفاع نے دارالعلوم کے شعبۂ مؤتمر المصنفین کی مطبوعات میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ بالخصوص مدیر الحق کی کتاب "اسلام اور عصر حاضر" کے مطالعہ کے تاثرات کا بھی ذکر کیا۔

یونیورسٹی آف پشاور

اسامیاں خالی ہیں

درج ذیل اسامیوں کے لئے مجوزہ فارموں پر درخواستیں مطلوب ہیں جو یونیورسٹی انکوائری آفس سے -/۲ روپے ادا کرنے پر حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اسامیوں کے لئے مطلوبہ قابلیت/تجربہ اور شرح تنخواہ ہر ایک کے سامنے درج ہے۔

۱۔ ایسوسی ایٹ پروفیسر (i) سول انجینئرنگ (ii) الیکٹریکل انجینئرنگ (iii) پشتو (iv) کیمسٹری (میل) (v) اکنامکس فیمیل (vi) کامرس۔

شرح تنخواہ این پی ایس - ۱۹ (۲۲۵۰ - ۱۰۰ - ۲۷۵۰ روپے)

قابلیت ماسٹر ڈگری/بی ایس سی (انجینئرنگ) معہ کسی مسلمہ یونیورسٹی سے تدریس/تحقیق کا ۱۳ سالہ تجربہ یا کسی قومی یا بین الاقوامی ادارے میں متعلقہ فیلڈ میں پروفیشنل تجربہ۔ جمع بین الاقوامی شہرت کے رسائل میں ۵ تحقیقی مطبوعات

یا

پی ایچ ڈی معہ مسلمہ یونیورسٹی میں تدریس کا ۱۰ سالہ تجربہ جمع بین الاقوامی شہرت کے رسائل میں ۵ تحقیقی مطبوعات

نوٹ:۔ انجینئرنگ کی اسامیوں کے لئے امیدواروں کو پاکستانی انجینئرنگ کونسل کے ساتھ رجسٹریشن سرٹیفکیٹ پیش کرنا ہوگا۔ بصورت دیگر ان کی درخواستیں زیر غور نہیں آئیں گی۔

۲۔ اسسٹنٹ پروفیسر (i) سول انجینئرنگ (ii) مائننگ انجینئرنگ (iii) سائیکالوجی (iv) بیالوجی (v) پلانٹ بریڈنگ اینڈ جینیٹکس (vi) کامرس

شرح تنخواہ این پی ایس -۱۸ (۱۳۵۰ - ۷۵ - ۱۶۵۰/۱۰۰ - ۲۱۵۰ روپے)

قابلیت فرسٹ کلاس ماسٹر ڈگری/فرسٹ کلاس بی ایس سی (انجینئرنگ) ڈگری یا مساوی قابلیت اور کسی مسلمہ یونیورسٹی یا پوسٹ گریجویٹ انسٹی ٹیوشن میں بحیثیت لیکچرر تدریس/تحقیق کا ۶ سالہ تجربہ یا کسی قومی یا بین الاقوامی ادارے میں پروفیشنل تجربہ

یا

ماسٹر ڈگری (فارن) کسی پاکستانی یونیورسٹی سے ایم ایس سی (انجینئرنگ) یا ایم فل جمع کسی مسلمہ یونیورسٹی میں بحیثیت لیکچرر ۴ سالہ تجربہ/قومی یا بین الاقوامی ادارے میں متعلقہ فیلڈ میں پروفیشنل تجربہ **یا**

P.T.O

پی ایچ ڈی معہ کسی مسلمہ یونیورسٹی میں ۲ سالہ تدریس/تحقیق کا تجربہ یا کسی قومی یا بین الاقوامی ادارے میں متعلقہ فیلڈ میں پروفیشنل تجربہ۔

نوٹ:۔ (i) سیکنڈ ڈویژن قابلیت کے حامل ورکنگ لیکچرر جو ریگولر پوسٹوں پر متعین ہیں اور نیشنل پے سکیلز سکیم کے متعارف ہونے سے قبل مستقل (CONFIRMED) ہو چکے ہیں۔ اسسٹنٹ پروفیسروں کی اسامیوں پر تقرری کے لئے ان پر غور کیا جائے گا (ii) انجینئرنگ پوسٹوں کے لئے امیدواروں کو پاکستان انجینئرنگ کونسل کے ساتھ رجسٹریشن سرٹیفکیٹ پیش کرنا ہوگا۔ بصورت دیگر ان کی درخواستیں زیر غور نہیں آئیں گی (iii) مائننگ انجینئرنگ میں اسسٹنٹ پروفیسر کی اسامی کے لئے کوالیفائڈ اشخاص کے دستیاب نہ ہونے کی صورت میں مائننگ انجینئرنگ میں فرسٹ کلاس ماسٹر ڈگری کے حامل امیدواروں پر این پی ایس-۱۷ کے تحت بحیثیت لیکچرر تقرری پر غور کیا جائے گا

۳۔ لیکچررز: (i) اپلائیڈ کیمسٹری (ii) اگریکلچرل کیمسٹری

شرح تنخواہ این پی ایس-۱۷ (۹۰۰-۵۰-۱۱۵۰/۶۰-۱۷۵۰ روپے)

قابلیت متعلقہ مضامین میں فرسٹ کلاس/بی گریڈ ماسٹر ڈگری یا مساوی قابلیت

۴۔ مسٹریس

شرح تنخواہ: این پی ایس-۱۶ (۶۲۵-۴۰-۸۲۵/۵۰-۱۳۲۵ روپے)

قابلیت: فزکس میں ماسٹر ڈگری کے ساتھ سیکنڈ کلاس بی ایڈ اور کسی مسلمہ تعلیمی ادارے میں ۴ سالہ تدریسی تجربہ یا سیکنڈ کلاس بی ایس سی ڈگری (فزکس اور کیمسٹری پڑھی ہو) معہ سیکنڈ کلاس بی ایڈ اور کسی مسلمہ تعلیمی ادارے میں ۷ سالہ تدریسی تجربہ

۵۔ لیبارٹری ٹیکنیشن

شرح تنخواہ: این پی ایس-۱۶ (۶۲۵-۴۰-۸۲۵/۵۰-۱۳۲۵ روپے)

قابلیت: میٹرک معہ کسی ٹیکنیکل سکول سے ڈپلومہ اور انجینئرنگ لیبارٹریز میں انسٹالیشن کا کم از کم ۱۵ سالہ تجربہ۔

تمام اسامیوں کو یونیورسٹی رولز کے تحت مروجہ ہاؤس رینٹ ہاؤس، کنوینس الاؤنس اور لوکل کمپینسٹری الاؤنس حاصل ہوں گے۔ درخواستیں سرٹیفیکیٹس، ڈگریز، ڈومیسائل کی فوٹوسٹیٹ مصدقہ نقول اور تحقیقی مطبوعات کے ۴ سیٹوں (ایسوسی ایٹ پروفیسر کی صورت میں) معہ پشاور یونیورسٹی کے خزانچی کو ادا شدہ -/۲۰ روپے (برائے این پی ایس-۱۸ اور ۱۹) اور -/۱۵ روپے (برائے این پی ایس-۱۶ اور ۱۷) کی رسید کے ہمراہ زیر دستخطی کو ۳۱ دسمبر ۱۹۷۸ء کو یا اس سے قبل پہنچ جانی چاہئیں۔ نامکمل/دیر سے موصول ہونے والی درخواستیں نظر انداز کر دی جائیں گی۔

(عبدالصادق) رجسٹرار
یونیورسٹی آف پشاور

INF (P)-2427

REGD-NO.P-90